ماھنامہ

حکمت بالغہ

اپریل2009

مدیر:انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان
فون اور فیکس:0092-47-7628361
ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com
ویب سائٹ/http://jhanghikmat.co.cc یا
www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

حرف آرزو

انجینئر مختار فاروقی

یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہوا ہے کہ ماہانہ سیمیناروں کے سلسلہ کی نو ویں شخصیت کے حالات اس شمارے میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے استدعا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو شرف قبول بخشے اور گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلامیت اور ایمان وجذبۂ جہاد کے حوالے سے مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ کا یہ خاکہ امت کے ذہین اور سرگرم عناصر کے لئے مفید اور آنکھیں کھولنے والا بنائے تاکہ ہم شعوری طور پر اٹھ کھڑے ہوں اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لگ جائیں تاکہ دنیا میں حق اور اسلام کا بول بالا ہو سکے۔

ماہ مارچ 09ء کے دوران لانگ مارچ (LONG MARCH) کا غلغلہ تھا اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر بالعموم اور مسلمانانِ پاکستان پر بالخصوص رحم فرمایا ہے کہ ملک میں اجتماعی سطح پر عدلیہ کی بحالی اور آزادی کے لئے تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہیں اور خلق خدا کو اُن دیکھے خوف کے اندر بھی ایک موہوم سی امید لگی ہے کہ اب شاید انصاف کا بول بالا ہوگا اور عدل کا ماحول ہوگا۔ عدلیہ کی بحالی کا یہ فیصلہ مملکت خداداد پاکستان کی تاریخ میں دینی ملی اور اجتماعی اہداف کی طرف ایک اہم قدم ہے۔

عدلیہ کی بحالی کی اس تحریک میں بھی بالعموم یہ نعرہ لگا ہے کہ 'آزاد عدلیہ' اور ہمارے ہاں مغربی آقاؤں کے اشاروں پر 'آزادی' کا ایک خاص تصور عام کیا جارہا ہے۔ عدلیہ کی بحالی کی تحریک میں اگر تو وکلاء اور سول سوسائٹی کے نزدیک آزاد عدلیہ سے مراد حکومتی دباؤ اور مفادات

سے آزاد عدلیہ ہے تو مبارک ہو' مگر آزادی سے مراد اگر مادر پدر آزادی ہے تو یہ آزادی صرف مغرب کو مبارک' ہمیں ایسی آزادی نہیں چاہیے جس میں انسان اور معاشرہ ہر قسم کے اخلاق، اصول اور ضابطوں سے آزاد ہونیکی سوچ رکھتا ہو۔

آج مغرب میں اسی 'آزادی' کا تصور ہے جو بالآخر LIBERALISM اور اباحیت پرستی سے جا کر بغل گیر ہو جاتی ہے اور مغربی میڈیا اور ادارے اسی آزادی کا پرچار کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی 14 اگست کے موقع پر یوم آزادی کی آڑ میں جو کچھ ہوتا ہے اور میڈیا بالخصوص سیل فون کمپنیاں آزادی کا راگ الاپتی ہیں وہ سب اسی سوچ کا مظہر ہے حتیٰ کہ میڈیا اور بالخصوص موبائل فون کمپنیوں کے نعرے بھی اسی مادر پدر آزادی کا سبق دے رہے ہیں۔ اللہ تعالٰی ایسی آزادی کم ازکم پاکستان کے عوام کو کبھی عطا نہ فرمائے اور ہماری عدلیہ بھی اس معنی میں آزاد نہ ہو۔ ہماری عدلیہ کو تو فکر اقبال، نظریہ پاکستان اور قرارداد مقاصد یعنی قرآن وسنت کا محافظ بن کر کھڑا ہونا ہوگا ــــــــــــ کاش ایسا ہی ہو۔

دہشت گردی اور اصل دہشت گردوں کا

حقیقی چہرہ

2012ءتک ساری دنیا دہشت گردوں سے پاک ہوجائے گی

صدیق صادق جھنگ

پُر امن زندگی بسر کرنے والی مخلوقِ خدا کو لوٹنے والے لٹیرے کہلاتے ہیں، ڈاکے ڈالنے والوں کو ڈکیت کہا جاتا ہے، سمندروں میں لوٹ مار کرنے والے قزّاق کہلاتے ہیں۔ گھروں میں نقب لگانے والے کو نقب زن اور چوری کرنے والے کو چور کہا جاتا ہے، کسی انسان کو ناحق قتل کرنے والے کو قاتل اور خونی کے نام سے پکارا جاتا ہے، پُر امن بستیوں، قصبوں، شہروں کو بلا وجہ تاخت و تاراج کرنے والوں کو بربر، وحشی درندوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، مظلوموں، بے بسوں، بیکسوں پر ظلم ڈھانے والوں کو ظالم کہا جاتا ہے، عصمتوں کو پامال کرنے والے غنڈے اور بدمعاش کہلاتے ہیں ——— یہ الفاظ، یہ اصطلاحیں اور ان کے مفاہیم و معنی کرۂ ارض پر بسنے والی ہر قوم، ہر گروہ، ہر ملت، ہر مذہب، ہر بستی، ہر خطہ، ہر ملک کے انسانوں کی زندگی کا ازلی و ابدی حصہ، جزو لاینفک، رواج، روز مرہ عمل (PRACTICE OF THE DAY) اور دستور العمل ہیں، اور کوئی برے سے برا شخص بھی ان الفاظ و مفاہیم کے مروّجہ معانی کے عام رواج کا منکر نہیں۔ اکیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک پوری انسانی تاریخ میں کبھی کسی نے مظلوم کو ظالم قرار نہیں دیا، لٹنے والے کو لٹیرا نہیں کہا، ڈکیتی کا شکار ہونے والے کو ڈکیت نہیں کہا، مقتول کو کبھی قاتل قرار نہیں دیا گیا، چوروں کی زیادتی کا نشانہ بننے والے کو کبھی چور قرار نہیں دیا گیا ——— مگر قربان جایئے اکیسویں صدی عیسوی کے مہذّب و روشن خیال اور ترقی یافتہ انسان کے کہ اس نے اپنے بے پناہ وسائل اور پرزور میڈیا مشین کے زور پر ان تمام مروّجہ مفاہیم کو بدل کے رکھ دیا ہے، الٹ معنی پہنا دیئے ہیں۔ مظلوم کو ظالم، مقتول کو قاتل، لُٹنے والے کو لٹیرا اور منظّم (PRE-PLANNED) ریاستی دہشت گردی کا شکار ہونے والے مجبوروں، بیکسوں،

مظلوموں کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے اور دنیا بھر کو بندوق اور پیسے کے زور پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ ان کی ریاستی دہشت گردی کا شکار ہونے والے ان بے وسائل نہتے لوگوں کو دہشت گرد تسلیم کرو! اور ان مظلوموں پر مسلط کردہ جنگ میں ان کے معاون و مددگار بنو!! اور حیرت کا مقام ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک کے مردہ ضمیر، حریص اور اندر کے خوف میں مبتلا حکمران و پیشوا ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر خود کو مجبور پا رہے ہیں۔

نائن الیون (9/11) کی واردات سے بین الاقوامی ریاستی دہشت گردانہ ذہنیت کے حامل یہ عالمی منصوبہ ساز (CREATERS OF NEW WORLD ORDER) بیک وقت جو کئی ایک مذموم مقاصد حاصل کرنے میں بظاہر کامیاب دکھائی دیتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ اہم اور نوعِ انسانی کیلئے انتہائی تباہ کن، مہلک اور خطرناک وہ مربوط، پرزور، ہمہ وقتی اور ہمہ جہتی عالمی مہم ہے جو دین الحق، دین اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف چلائی جا رہی ہے اور امن و سلامتی اور محبت و بھائی چارے کے اس دین کو دہشت گردی کا دین اور اس کے پیروکاروں کو اپنے بے پناہ وسائل اور پروپیگنڈا مشین کے زور پر دہشت گرد باور کروانے کی ناپاک جسارت ہے۔ یہ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا جھوٹ، سب سے بڑا فریب اور سب سے بڑا دھوکا ہے جو تاریخِ انسانی کے یہ مسلّمہ عالمی دہشت گرد دنیا کو دے رہے ہیں؛ اس لئے کہ اس دین الحق کا تو نام ہی ''اسلام'' ہے یعنی دنیا کو محبت و اخوت اور امن و سلامتی اور سلامت روی کا درس دینے والا دین اور اس دین الحق کا ایک ایک پیروکار امن و سلامتی اور محبت و بھائی چارے کا پیغامبر ہے دہشت گرد نہیں۔

اس منظّم اور ہمہ جہت مہم کے پس پردہ منصوبہ ساز عالمی ریاستی دہشت گردی کے وہی معمار (MASTER MIND) ہیں جو تاریخی اور بین الاقوامی طور پر مسلّمہ دہشت گرد مانے جاتے ہیں جیسے، ہندوتوا (HINDUTVA) نیوکونز (NEW-CONS) اور جنونی صہیونی (ZIONISTS) اور ان کی بہت سی ذیلی تنظیمیں اور ایجنسیاں۔ اور جنہیں دنیا بھر کا سنجیدہ طبقہ، باضمیر اور صحیح الرّائے لوگ دہشت گرد قرار دیتے ہیں اور جس کی تصدیق انسانوں کے خالق و مالک اور حاکم اعلیٰ اللہ علیم و خبیر و بصیر نے بھی کی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ''وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

وَالۡمَسۡکَنَۃُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ ’’(البقرۃ۔61)(آخرکارنوبت یہاں تک پہنچی کہ (ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے)ذلت وخواری اور پستی و بدحالی ان پر مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے)مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے۔’’فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ‘‘ (البقرۃ۔91)(اب یہ غضب بالائے غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے)اللہ کا یہ شدید غضب ان پر کیوں ہوا۔اس کا جواب بھی اللہ العزیز الحکیم نے اپنی کتاب مقدس میں خود ہی دیا ہے۔’’ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ‘‘ (البقرۃ۔61)(یہ نتیجہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور اللہ کے رسولوں کو ناحق قتل کرنے لگے)

اللہ کے جو نبی اور رسول (علیہم السلام) اپنی ہی قوم بنی اسرائیل کے تشدد، دہشت گردی اور قتل و غارت گری اور سفا کی کا نشانہ بنے ان میں سے کچھ نام ہمیں تاریخ میں ملتے ہیں، جن میں حنانی نبی، حضرت الیاس علیہ السلام (ایلیاہ) جن کو بنی اسرائیلی مظالم کی وجہ سے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی، حضرت میکایاہ نبی علیہ السلام جن کو جیل میں ڈال دیا گیا اور بے پناہ سختی اور تشدد نے ان کی جان لے لی، حضرت زکریاہ نبی علیہ السلام کو سنگسار کیا گیا، حضرت یرمیاہ نبی علیہ السلام کو تشدد کر کے ہلاک کیا گیا۔حضرت عاموس نبی علیہ السلام کو جلاوطنی پر مجبور کیا گیا، حضرت یحییٰ نبی علیہ السلام (یوحنا) کا سر قلم کر کے یہودیہ ریاست کے بادشاہ نے تھال میں رکھ کر اپنی اس فاحشہ محبوبہ کو پیش کیا جس کی فرمائش پر ان کا سر قلم کیا گیا تھا۔حتیٰ کہ صہیونیوں نے برّاباڈاکو کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکانے کے لیے رومی بادشاہِ وقت سے پروانہ جاری کروایا۔یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے ان کی چال ناکام بنادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔

ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے بلاوجہ اپنے سینکڑوں نبیوں اور رسولوں کو قتل کیا۔ایک دوسری حدیث مبارک میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ سب سے بڑا ظالم، جابر، دہشت گرد، فسادی اور سخت ترین عذاب الٰہی کا مستحق وہ شقی القلب شخص ہے جس نے کسی نبی یا اللہ کے رسول کا ناحق قتل کیا۔

فساد فی الارض اور بنی اسرائیل

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:’’وَقَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ

لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا“ (بنی اسرائیل ۔4) (اور ہم نے اپنے صحائف آسمانی میں بنی اسرائیل کو اس بات پر واضح طور پر متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ کرۂ ارض پر فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے) قرآن کریم کے علاوہ بائبل کے مجموعہ کتب میں یہ فساد اور تنبیہات حضرت یسعیاہ نبی ،حضرت یرمیاہ ،حضرت حزقی ایل اور حضرت داؤد علیہم السلام کی زبانی مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔مثال کے طور پر حضرت یسعیاہ نبی علیہ السلام اپنے صحیفے کے باب 30 آیت 9-14 میں فرماتے ہیں:”______وہ (خداوند) اسے (بنی اسرائیل) کو کمہار کے برتن کی طرح توڑ ڈالے گا (زمین پر ان کی فسادات کی وجہ سے) اسے بے دریغ چکنا چور کرے گا اس کے ٹکڑوں میں ایک ٹھیکرا بھی ایسا نہ ملے گا جس میں چولہے سے آگ یا حوض سے پانی لیا جا سکے۔“

متی کے باب 23 میں حضرت مسیح علیہ السلام خبردار کرتے ہیں۔”اے یروشلم !تو جو نبیوں کو قتل کرتا ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے اور دھرتی پر فساد پھیلاتا ہے، میں نے کتنی بار چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے اکٹھا کر لیتی ہے اسی طرح تیرے لڑکوں کو جمع کرلوں مگر تو نے ایسا نہ چاہا۔اب تمہارا گھر (سزا کے طور پر) تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے“ (آیت 38-37)۔

اپنے پیغمبروں کے ذریعے اس خدائی تنبیہ اور سخت ترین سزاؤں کے باوجود بنو اسرائیل کا فساد فی الارض یعنی عالمی ریاستی دہشت گردی کا یہ سلسلہ تاریخ انسانی کے کسی دور میں بھی بند نہیں ہوا بلکہ کسی نہ کسی انداز میں چلتا ہی رہا ہے اور آج بھی پورے زوروشور سے جاری ہے، صرف طریقہ کار تبدیل ہوا ہے۔اب وہ براہ راست نہیں بلکہ دنیا میں فساد فی الارض یا ریاستی دہشت گردی کی آگ بھڑکانے میں بالواسطہ ملوث ہیں۔امریکہ،اس کے اتحادیوں اور ہندوستان وغیرہ طاقتوں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلا رہے ہیں۔قرآن حکیم فرقان حمید میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:”وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا“ (الاعراف ۔56) (زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہوگئی ہو یعنی امن وامان قائم ہو چکا ہو)۔

اور سورۃ البقرۃ کی آیت گیارہ اور بارہ میں فرمان خداوندی ہے: ”وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاتُفْسِدُوْا فِی

الْاَرْضِ قَـالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ o اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ" (جب کبھی ان سے کہا گیا کہ کرۂ ارض پر فساد نہ کھڑا کرو تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں بیشک یہی لوگ فسادی اور دہشت گرد ہیں)۔

قرآن کریم کی یہ حقیقت بیانی کس قدر سچائی پر مبنی ہے کہ آج انہوں نے اپنی عالمی ریاستی دہشت گردی اور فساد فی الارض کے ذریعے ساری دنیا کو اور بطور خاص عالم اسلام کو جہنم زار بنایا ہوا ہے مگر تاریخ کے اس سب سے بڑے جھوٹ اور مکر وفریب کو اپنی موثر ترین پروپیگنڈا مشین کے زور پر دنیا بھر کو باور کروایا جا رہا ہے کہ وہ یہ سب کچھ دنیا کی اصلاح اور امن وامان کے قیام کے لئے کر رہے ہیں اور پھر اپنی آخری اور سخت وارننگ کے طور پر اللہ احکم الحاکمین نے فرمایا: "فَـاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْءُوْا وُجُوْهَكُمْ" (بنی اسرائیل ۔7) (پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں) اس حوالے سے بائبل میں حضرت یرمیاہ نبی علیہ السلام کا یہ قول بھی بہت اہم ہے:

> ''اے اسرائیل کے گھرانے! دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھالاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے کہ وہ بڑی ہی زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا، ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں، وہ سب بہادر مرد ہیں، وہ تیری فصل کا اناج اور تیری روٹی جو تیرے بیٹوں بیٹیوں کے کھانے کی تھی' کھا جائیں گے، تیری گائے بیل اور تیری بکریوں کو چٹ کر جائیں گے، تیرے انگور اور انجیر نگل جائیں گے۔ تیرے مضبوط شہروں کو' جن پر تیرا بھروسہ ہے' تلواروں سے ویران کر دیں گے۔'' (باب 5۔ آیت 15-17)

بائبل کے اس متذکرہ بالا اقتباس میں دور سے چڑھالائی جانے والی جس زبردست قدیم بہادر و جری قوم کا ذکر ہے اس کے بارے میں آسمانی کتابوں کے حامل مذاہب کی اقوام کے ہر طبقۂ فکر کے پڑھے لکھے لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ اشارہ اس سیاہ جھنڈوں والے عظیم ٹڈی دل لشکر اسلام کی طرف ہے جو اسرائیلی روایات اور احادیث نبوی کے مطابق پاکستان اور افغانستان (خراسان) سے حضرت محمد بن عبداللہ مہدی علیہ السلام کی مدد ومعاونت کے لئے روانہ ہوگا اور وہ شام و

فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں، امریکیوں اور اس کے دوسرے اتحادیوں کے خلاف لڑی جانے والی ''ملحمۃ الکبریٰ'' (جنگ عظیم) میں حضرت مہدی عَجَّلَ اللّٰہُ قِیَامَہٗ اور ان کی افواج کا ساتھ دے گا اور انہیں فتح و کامرانی سے ہم کنار کر کے وہاں ان کی اسلامی حکومت (خلافت) کے قیام کی راہ ہموار کرنے میں ان کا مددگار بنے گا۔

ترمذی شریف، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد بن حنبل میں مخبر صادق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث مبارک موجود ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ کوہ ہندوکش یعنی خراسان سے سیاہ جہادی جھنڈوں والا ایک عظیم الشان لشکر نکلے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کا راستہ نہ روک سکے گی اور وہ راہ کی ساری رکاوٹیں توڑتا ہوا علاقوں پر علاقے فتح کرتا ہوا ایلیاء (بیت المقدس) تک پہنچ جائے گا۔ اسی روایت کے حوالے سے حضرت امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سیاہ جھنڈوں والا یہ عظیم الشان لشکر مشرق (پاکستان ،افغانستان، ایران) سے حضرت محمد بن عبداللہ مہدی کی قیادت میں نکلے گا۔

مصر کی اسلامی یونیورسٹی جامعہ الازہر قاہرہ کے پروفیسر امین محمد جمال الدین نے اس ضمن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث مبارک اپنی کتاب ''ہرمجدون'' (ARMEGADON) میں نقل کی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

> ''چودھویں صدی ہجری ختم ہونے کے تین دہائیوں کے بعد (1430ھ) کے آخری زمانہ میں مَلْحَمَۃُ الکبریٰ (جنگ عظیم) برپا ہوگی۔ اسی دوران مہدی امین کا ظہور ہوگا۔ وہ دنیا بھر کی باطل طاقتوں سے جنگ کرے گا۔ اللہ کے مغضوب وملعون و کفار سب اس کے خلاف متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان میں وہ (اس وقت کے ترقی یافتہ ممالک) بھی شامل ہوں گے جو نفاق و کذب کی حد کمال تک پہنچے ہوئے ہوں گے۔ یہ سب ''مجدون'' پہاڑ کے قریب جمع ہوں گے اور ساری دنیا کی مکار اور بدکار ملکہ (امریکہ) ان ساری باطل طاقتوں کی قیادت کرتے ہوئے مہدی برحق اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کے لئے نکلے گی۔ اس انتشار و بدامنی کا شکار زمانہ میں وہ ملکہ ساری دنیا کو فواحش و بداخلاقی و گمراہی کی طرف ورغلائے گی اور اس زمانہ میں یہودی اوج

کمال تک پہنچے ہوئے ہوں گے۔ بری، بحری، فضائی ہر طرف سے دشمن ممالک حملہ آور ہوں گے۔مہدی امین کو احساس ہوگا کہ ساری باطل طاقتیں خطرناک قسم کی سازشوں کے جال بن کر اس کے خلاف صف آرا ہیں پھر وہ (باذن اللہ) ان باطل طاقتوں پر انتہائی کربناک اور ہلاکت خیز تیر پھینکے گا اور دشمن کی ساری افواج کو جلا کر راکھ کر ڈالے گا آسمان سے بھی ان دشمنان دین الحق پر آفتیں نازل ہوں گی اور زمین والے ان پر لعنت بھیجیں گے اور بالآخر اللہ حیؒ القیوم کفر و شرک کو مٹا دینے کی اجازت دے دیں گے۔''

بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں جس کے راوی حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''یہودی اس جنگ (ملحمة الکبریٰ) یعنی ہرمجدون میں مسلمانوں کے خلاف روم (یورپ اور امریکہ) کے عیسائیوں کو ساتھ ملا کر اسی (80) جھنڈوں کے نیچے جمع ہو کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوجی ہوں گے (واضح رہے کہ موجودہ دور میں ایک ڈویژن فوج بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل ہوتا ہے گویا وہ لشکر دشمن کے نو لاکھ ساٹھ ہزار (960000) فوجیوں پر مشتمل ہوگا) اس ملحمۃ الکبریٰ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و کامرانی سے ہمکنار فرمائے گا۔''

ایک اور حدیث مقدسہ میں جسے حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس و اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ''جب تم دیکھو کہ خراسان (پاکستان وافغانستان وغیرہ) سے سیاہ جہادی جھنڈے والے لشکر آرہے ہیں تو ان میں شامل ہونے کے لیے ان کی طرف دوڑ پڑنا خواہ تمہیں برف پر سے پھسل کر ہی کیوں نہ آنا پڑے کیونکہ ان سیاہ جہادی جھنڈوں کے ساتھ خلیفہ مہدی ہوں گے''۔

اس سے ملتی جلتی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''آخری زمانہ میں بڑا فتنہ برپا ہوگا اس وقت میرے اہل بیت میں سے ایک شخص تین جھنڈوں والی جماعت (لشکر) مشرق سے (افغانستان، پاکستان، ایران) لے کر نکلے گا اور اسلام دشمنوں سے

جنگ کرے گا۔اللہ مسلمانوں کو فتح وکامرانی کی نعمت سے ہم کنار کرے گا۔‘‘

مشہور زمانہ کتاب "PRODAMADON OF LORD, JESUSCHRIST" جو 1934ء میں شائع ہوئی‘ کا فاضل غیر متعصب مولف ٹی۔بی بیٹس (T.B.BEATES) پیش گوئی کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

عیسائی اور اسرائیلی یہودی امریکہ کی زیر کمان ایلیا میں اپنی عظیم افواج جمع کریں گے۔ دوسری جانب مشرق (افغانستان، پاکستان، ایران) کے حکمران اور مجاہدین سیاہ جہادی جھنڈوں والے لشکر (چین کی قیادت میں) اسرائیل پر حملہ کر کے اس کی سرحدوں کے اندر فوجیں اکٹھی کریں گے۔ اس طرح مجدون پہاڑی کے گرد و نواح میں دنیا کی آخری جنگ عظیم (ARMEGADON) کا آغاز ہوگا۔ یہودیوں اور ان کے اتحادیوں کے لئے یہ یومُ الغضب (عذاب والا دن) ہوگا کیونکہ وہ مشرقی جنگجوؤں کے سیلابی ریلہ کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ اسلامی جذبہ جہاد سے سرشار وہ بہادر اور جری جنگجو یہودیوں اور ان کے اتحادیوں پر حاوی ہو جائیں گے اور یہی شمال مشرقی جنگجو مجاہد اسرائیلی ریاست کی تباہی و بربادی کا باعث بنیں گے۔ اس ہولناک جنگ کا آغاز کرتے وقت اسرائیل، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو شاید یقین تھا نہ اندازہ کہ جس میدان جنگ کی طرف (افغانستان، پاکستان، عراق اور فلسطین) وہ بڑے جوش وزعم میں بھاگ کر گئے تھے وہاں انہیں قیدی بنا کر گرفتار کیا جائے گا اور جہنمی آگ میں زندہ جھونک دیا جائے گا۔ یہودیوں اور امریکیوں کی اس عبرتناک شکست کے بعد وہ بے گناہ نیک نفس شخصیات جو ان کے ظلم و جبر اور خوف دہشت گردی کی وجہ سے پہاڑوں اور غاروں میں چھپ گئے تھے اپنا سر عزت و وقار اور جرات و جوانمردی سے بلند کریں گے‘‘۔

بائبل کے عہد نامہ قدیم اور تورات کے صحیفہ زکریا (علیہ السلام) کے باب 13 کی آیت 8 میں ہے:

’’خداوند فرماتا ہے کہ قیامت کے قریب زمانہ میں زیادہ تر یہودی ہر مجدون کی جنگ میں ہلاک ہوجائیں گے اور ان کی دو تہائی آبادی فنا کے گھاٹ اتر جائے گی‘‘۔

اسی طرح بائبل کے صحیفہ حزقی ایل (علیہ السلام) کے باب 39 کی آیت 12 کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

''اور سات مہینوں تک بنی اسرائیل اپنے مردوں کو دفن کرتے رہیں گے تا کہ اپنی زمین صاف کر سکیں۔''

اس تباہ کن جنگ عظیم میں ہونے والی تباہی کے حوالے سے مخبر صادق، پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ اس جنگ میں اس قدر لاشیں گریں گی کہ پورا علاقہ ڈھک جائے گا۔ ایک پرندہ مسلسل اڑتا چلا جائے گا اور اسے زمین میں بیٹھنے کے لئے خالی جگہ نہیں ملے گی۔

مکہ مکرمہ کی ام القریٰ یونیورسٹی کے پروفیسر شیخ سفر بن عبدالرحمٰن حوالی اپنی مشہور کتاب ''یوم الغضب'' میں لکھتے ہیں:

''یہودیوں پر یوم الغضب کے نزول کے حوالے سے بائبل کے صحیفۂ دانیال میں حضرت دانیال (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ: ''کرب یعنی ظلم و جبر کی حکمرانی اور کشائش یعنی امن و انصاف کی حکمرانی کے درمیان پینتالیس (45) برس کا وقفہ ہوگا''۔ حضرت دانیال کے متعین کردہ اس وقت کے مطابق اسرائیلی ریاست 1967ء میں بیت المقدس اور عربوں کے دیگر علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کے بعد صحیح معنوں میں قائم ہوئی ہے۔ گویا جون 1967ء سے شروع ہونے والے صیہونی ظلم و جبر اور ریاستی دہشت گردی کا ''دور کرب'' 2012ء میں ختم ہوگا جب مہدی برحق اور ان کے مجاہدوں کے ہاتھوں اسرائیلی ریاست کا خاتمہ ہوگا''۔

مشہور و معروف کتاب ''ہرمجدون'' کے مؤلف پروفیسر امین محمد جمال الدین نے بھی اپنی کتاب میں اس سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس بارے میں مجھے حق الیقین کی کیفیت حاصل ہے کہ 2012 جارح اسرائیلی ریاست کے خاتمہ کا سال ہے اور اس غاصب اور ناجائز ریاست کے خاتمہ کا آغاز مہدی برحق اور ان کے مجاہدین کے ہاتھوں ہوگا اور اس کے ساتھ ہی دو تہائی یہودی بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ اور باقی ماندہ یہودیوں کا خاتمہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور ان کے مجاہدوں کے ہاتھوں اس وقت ہوگا جب دجال کی قیادت میں ستر

ہزار یہودیوں کا لشکر شام پر حملہ آور ہوگا دجال اپنے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے جب دمشق کے قریب پہنچے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرقی حصہ میں ایک سفید مینار کے قریب فجر کے وقت آسمان سے اتریں گے اور نماز فجر کے بعد اسلامی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے دجال کے مقابلہ کے لئے نکلیں گے۔ دجال پسپا ہوکر ''اُفیق'' کی گھاٹی کی طرف بھاگے گا (دمشق سے کچھ فاصلے پر شام، اسرائیل سرحد پر ایک نشیبی راستہ اسرائیل کی جانب نکلتا ہے جسے ''اُفیق کی گھاٹی'' کہا جاتا ہے) حضرت عیسی علیہ السلام اس کا تعاقب کریں گے اور لُد (LYDA) (جو اس وقت اسرائیل کا ایک بڑا فوجی ہوائی اڈا ہے) کے مقام پر اسے جہنم رسید کر دیں گے، یہودیوں کا قتل عام صہیونی قوم کے خاتمہ پر منتج ہوگا اور یوں بنی اسرائیل سے متعلق اللہ احکم الحاکمین کے قرآن پاک کی سورۃ بنی اسرائیل آیت۔8 میں درج اس اٹل کائناتی اصول ضابطے اور فرمان کا اطلاق ہوگا۔

''اے بنی اسرائیل! اگر تم نے اپنی سابقہ (دہشت گردانہ) روش نہ بدلی اور اس کا اعادہ کیا تو پھر ہم بھی اپنی سخت سزا اور شدید عذاب کا اعادہ کریں گے''۔

اس ضمن میں حامل قرآن حضور کائنات ﷺ کا یہ فرمان مبارک بھی بڑا ہی اہم ہے:

''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم یہودیوں سے آخری اور فیصلہ کن جنگ نہ کر لو۔ یہاں تک کہ درخت اور پتھر پکار اٹھیں گے کہ اے مسلمان! اللہ کے بندے! یہ دیکھ میرے پیچھے یہودی چھپا ہے پس اسے قتل کرنے میں ذرا دیر نہ کر''۔

ابوداؤد اور مسند احمد میں حضور اقدس و اطہر ﷺ کی ایک حدیث مبارک ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ ہیں۔ حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں۔ ''وہ (حضرت عیسی علیہ السلام بن مریم) اسلام پر لوگوں (اسلام دشمنوں) سے جنگ کریں گے، صلیب کو پاش پاش کر دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، دجال کو ہلاک کر دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے۔ اللہ ان کے دور میں اسلام کے سوا تمام مذاہب و ادیان اور ملتوں کو مٹا دیں گے، زمین پر چالیس برس تک ٹھہریں گے۔ پھر ان کا انتقال ہو جائے گا اور مسلمان باقاعدہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے''۔

اور یوں اللہ رب العالمین کے کائناتی ورلڈ آرڈر کے عین مطابق قرآن حکیم فرقان حمید کی یہ سرمدی پیش خبری: "وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ" اللہ اور اس رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کلی پر مبنی دین اسلام کا دنیا بھر کے باطل اور مسخ شدہ ادیان پر غلبہ یعنی غلبۂ اسلام اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ''ہرمجدون'' کی عالمی جنگ عظیم سے ہوگا اور اس آخری عالمی جنگ عظیم (LAST WORLD WAR) جس کا آغاز 9-11-2001 کی خود ساختہ واردات کے بعد افغانستان پر اور بالواسطہ طور پر پاکستان پر اسلام دشمن طاقتوں کے بلا جواز حملہ سے ہو چکا ہے اور جس کا آخری اور فیصلہ کن راؤنڈ فلسطین کی سرزمین پر ''مجدون'' کے مقام پر لڑا جائے گا۔ اس میں متحدہ باطل طاقتوں کو مکمل شکست ہوگی اور ناجائز اسرائیلی ریاست کا خاتمہ ہو جائے گا۔

افغانستان، پاکستان پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملہ کا اصل پس منظر

آسمانی کتب وصحائف میں درج اللہ کے نبیوں، رسولوں، پیغمبروں اور دوسری برگزیدہ ہستیوں کی متذکرہ بالا اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی مسلسل اور پے در پے اس آخری جنگ عظیم اور اس کے نتائج کے بارے میں کی گئی پیش خبریوں کے آئینہ میں یہودیوں، عیسائیوں اور ان کے اتحادیوں کو اس اٹل اور ابدی حقیقت کا بھرپور اور پورا ادراک تھا کہ اسرائیل کی تباہی، اس کے ''گن مین'' امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی فیصلہ شکست کا موجب شمال مشرق (افغانستان، پاکستان وغیرہ) سے آنے والے سیاہ جہادی جھنڈوں والے لشکر بنیں گے۔ اس لئے وہ 11/9 کی خود ساختہ واردات کا ہوّا کھڑا کر کے 2001ء میں افغانستان پر براہ راست اور پاکستان پر بالواسطہ حملہ آور ہوئے۔ مربوط، منظّم اور انتہائی گہری منصوبہ بندی (PLANING) کے بعد کئے گئے اس حملے کا مقصد یہ تھا کہ بزعم خویش یہاں پر موجود اسلامی جذبۂ جہاد سے سرشار اسلام کی اس تجربہ کار مدافعی قوت کو۔ جس نے روس جیسی سپر پاور کو پاش پاش کر دیا تھا۔ یہیں پر ختم کر دیں تاکہ یہ سیاہ جہادی جھنڈوں والی خدائی فورس (حزب اللہ) فلسطین پہنچ کر حضرت مہدی کی معاون و مددگار بن کر ان کی تباہی و بربادی کا باعث نہ بن سکے۔ یہود وہنود ونصاریٰ یعنی حزب الشیطان کی اللہ رب العالمین کے کائناتی ورلڈ آرڈر (تقدیر الٰہی) کو بدل دینے یا مٹا ڈالنے کی یہ ایک شیطانی

کوشش ہے جس میں ظاہر ہے کہ وہ بری طرح ناکام ہوئے ہیں اور ہورہے ہیں اور ان کی اپنی شروع کی ہوئی یہ آخری کروسیڈی جنگ عظیم بڑی تیزی سے اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔

دین الحق اپنی حقانیت کے زور پر ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ اسے مٹانے کے لیے میدان میں نکلنے والوں کا مٹ جانا ایک فطری عمل ہے اور یہی حزب الشیطان کا مقدر ہے۔"وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" (آپ فرما دیجیے کہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا۔ بے شک باطل ہے ہی بھاگنے کے لیے مٹنے کے لئے) اور غلبہ و کامرانی حزب اللہ کی تقدیر ہے اور یہی اللہ احکم الحاکمین کا دستور، اس کا امر، اس کی سنت وازلی اور ابدی ورلڈ آرڈر ہے:"فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ"(المائدہ۔٦٥)(بے شک اللہ کی جماعت (لشکر) ہی وہ جماعت ہے جو انجام کار غالب آنے والی ہے)

اور مرشد و پیر کامل حضرت ابوانیس محمد برکت علی بانی دارلاحسان کا ارشاد ہے:

''اسلام حق ہے اور حق مٹنے کے لئے نہیں مٹانے کیلئے آیا ہے ـــــ دبنے کے لئے نہیں دبانے کیلئے ہے ـــــ ہرنے کے لئے نہیں ہرانے کے لئے آیا ہے ـــــ بھاگنے کے لئے نہیں بھگانے کے لئے ہے ـــــ گرنے کے لئے نہیں گرانے کے لئے ہے ـــــ دنیا بھر کی باطل قوتیں مل کر بھی حق کو مٹانا چاہیں تو کبھی مٹا نہیں سکتیں کہ حق کبھی ناپید نہیں ہوتا اس کی نمود ہو کر ہی رہتی ہے ـــــ بارود بن کر پھٹتا ہے، موج بن کر ابھرتا ہے نخل بل کر اگتا ہے ـــــ حق کی تقدیر بن کر باطل کی تدبیر پہ چھا جاتا ہے اور ـــــ اللہ خالق کون ومکاں اسے ابدی حیات کا مژدہ جانفزا سنا دیتا ہے۔''

سورۃ الفجر کی آیات 6 تا 14 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیا سلوک کیا اونچے ستونوں والے عاد ارم کے ساتھ کہ جن کی مانند (ترقی یافتہ اور طاقتور) کوئی بھی قوم دنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی۔ اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں (اپنی رہائش) کے لئے چٹانیں تراشی تھیں۔ اور اہراموں والے فرعونوں کے ساتھ بھی ـــــــــ یہ

لوگ تھے جنھوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی اختیار کی تھی اور بہت دہشت گردی اور فساد پھیلایا تھا۔ آخر کار تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ حقیقت یہ ہے تمہارا رب گھات لگائے ہوئے ہے''۔

قوموں کے عروج وزوال، عذاب وانعام اور جزااور سزا کے سلسلے میں اللہ احکم الحاکمین کا یہ ابدی اور اٹل قانون ہمیشہ روبعمل رہا ہے کہ جب بھی کوئی قوم اس نا قابل تبدّل خدائی سسٹم، خدائی قوانین، بندھے ٹکے ضوابط، خدائی اقدار اور خدائی ورلڈ آرڈر کو توڑنے کی جسارت کرتی ہے، اس کی فطری رفتار میں رکاوٹ بننے کی حماقت کرتی ہے، اپنی بڑائی، مادی طاقت اور سپر پاور ہونے کے نشہ میں بدمست دوسرں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتی ہے، انہیں پامال کرتی ہے، ظلم وجبر، قتل و غارت گری اور ریاستی دہشت گردی کا بازار گرم کرنے کی مرتکب ہوتی ہے تو ایسی قوم پر خدائے قہار و جبار کا کوڑا برسنا شروع ہو جاتا ہے، اسے صفحۂ ہستی سے مٹا کر دوسری قوموں اور آنے والی نسلوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا جاتا ہے کہ یہی قدرت کا اٹل قانون ہے ـــــــــــــــ اس سارے عمل میں انسانوں اور قوموں کی آزمائش بھی ہو جاتی ہے کھرے کھوٹے کی پہچان بھی اور پھر اسی کے نتیجہ کے مطابق ان کا حشر ہوتا ہے۔

اصل دہشت گردی

عالمی صہیونیت واحد سپر پاور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی بے پناہ مادی اور حربی طاقت کے بل بوتے پر بزعم خود اللہ القوی العزیز کے کائناتی ورلڈ آرڈر (DIVINE UNIVERSAL WORLD ORDER) کو بدل کر اس کی جگہ خودساختہ جیو ورلڈ آرڈر (JEW WORLD ORDER) کو دنیا بھر کے آزادی پسند، آزاد و خودمختار ممالک اور بطور خاص عالم اسلام پر زبردستی مسلط کرنے کے لئے خود ساختہ اسلامی دہشت گردی، بنیاد پرستی اور عسکریت پسندی سے دنیا کو بچانے کی آڑ میں اپنی لونڈی یو۔این۔او (U.N.O) کے ذریعہ بالواسطہ حملہ آور ہے اور اپنے مفادات ومقاصد کے حصول کے لئے اپنی روایتی ریاستی دہشت گردی اور قتل وغارت گری سے پوری دنیا کو جہنم کدہ بنا کر رکھ دیا ہے اور ظلم و بربریت کی انتہا ہے کہ اس کی اپنی اس دہشت گردی اور بربریت کا شکار مظلوموں کو اپنے بے پناہ سرمایہ، مادی وسائل، حربی طاقت

اور موثر ترین پروپیگنڈا مشین کے زور پر دنیا بھر میں دہشت گرد باور کروانے کی پرزور مربوط و منظم مہم چلائی جارہی ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے اور صدیوں پر پھیلی تاریخ انسانی کی گواہی بھی ریکارڈ پر ہے کہ فساد فی الارض اور ریاستی دہشت گردی ہر دور میں ان کی شیطانی فطرت کا حصہ رہی ہے۔

اس تلخ تاریخی سچائی کا اعتراف ان کے اپنے قدرے غیر متعصب، انصاف پسند اور صحیح الرائے لوگوں نے بھی کسی نہ کسی انداز میں کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

1۔ پہلے ایٹم بم کے موجد نابغہ روز گار یہودی سائنسدان البرٹ آئین سٹائن (ALBERT EINSTIEN) نے اسرائیلی ریاست کا پہلا وزیر اعظم بننے کی پیشکش رد کرتے ہوئے 10 اپریل 1948ء کو ''امریکن فرینڈز آف دی فائٹرز فار فریڈم آف اسرائیل'' (AMERICAN FRIENDS OF THE FIGHTERS FOR FREEDOM OF ISRAEL) کے ایگزیٹو ڈائریکٹر کو دوٹوک الفاظ میں لکھا:

> ''جس دن مصیبت واقعی ہمارے سروں پر آن پڑے گی تو اس کا پہلا سبب برطانیہ اور دوسری وجہ ہماری اپنی (یہودیوں کی) صفوں میں سے اٹھنے والی دہشت گرد تنظیمیں ہوں گی؛ اس لئے میں ہرگز ہرگز نہیں چاہوں گا کہ خود کو یا کسی اور کو ان دہشت گرد، جرائم پیشہ، فتنہ پرور لوگوں اور تنظیموں سے جڑا دیکھوں۔''

2۔ بنیجمن فرینکلن، امریکی تاریخ کا میلینیم مین (MILLENNIUM MAN) نے 1789ء میں ''یہودی امیگریشن'' کے موضوع پر ایک آئینی کنونشن کو خطاب کرتے ہوئے بحیثیت امریکی صدر کہا تھا:

> ''امریکا کو سب سے بڑا خطرہ اسلام سے ہے اور نہ کسی اور سے۔ بلکہ یہودیوں سے ہے صرف یہودیوں سے، اس لیے کہ تاریخ انسانی کی گواہی ریکارڈ پہ ہے کہ یہودی جس بھی سرزمین پر بستے ہیں وہاں نہ صرف اپنی اخلاقی پستی، مالی بدعنوانیوں کے گہرے نشانات چھوڑتے ہیں بلکہ اپنی ازلی فطرت کے عین مطابق اس سرزمین کو فتنہ وفساد سے بھر دیتے ہیں۔ وہ ریاست کے اندر ریاست بنا لیتے ہیں اور جب انہیں ایسا کرنے سے روکا جائے تو اپنی بے پناہ دولت کے بل بوتے پر اقتصادی اور معاشی طور

پراس ریاست کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ پرتگال، سپین اور کئی ممالک اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ اگر ہم امریکیوں نے آئینی طور پر ان یہودیوں کو ملک سے نہ نکالا تو یہ ایک سوسال سے بھی کم عرصہ میں ہمارے ملک پر چھا جائیں گے اور ہم پر حکومت کریں گے اور بالآخر ہمیں اور ہمارے ملک کو تباہ کر دیں گے۔ میں آج آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ اگر ہم نے آج آئینی طور پر یہودیوں سے چھٹکارا حاصل نہ کیا تو آپ کے بچے اور ان بچوں کے بچے نسل درنسل آپ کو اور مجھے قبروں میں قیامت تک بددعائیں دیتے رہیں گے۔ یہودیوں کے خیالات امریکی سوچ سے مطابقت نہیں رکھتے؛ اس لیے یہودی اس سرزمین کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ اگر ان کو آئینی طور پر امریکا میں داخلے کی اجازت مل گئی تو یہ یہاں اداروں کو تباہ کر دیں گے، ان پر تسلط جمالیں گے اور اداروں کی تباہی اور تسلط بالآخر امریکی تباہی پر منتج ہوگی۔ اس لیے میں زور دے کر کہتا ہوں کہ یہودیوں کو یہاں آئینی تحفظ ہرگز ہرگز نہیں ملنا چاہیے''۔

امریکا کے بانیوں میں ایک اہم مقام رکھنے والے سابق امریکی صدر فرینکلن کی متذکرہ بالا تنبیہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسرائیل کے ایک سابق وزیراعظم ایریل شیرون کے 3 نومبر 2001ء کو اپنے ایک وزیر کو کہے گئے ان تحکمانہ الفاظ پر غور کریں:

''میں آپ پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ اسرائیل پر امریکی دباؤ کی قطعی کوئی فکر کریں نہ پرواہ؛ اس لیے کہ امریکا کو بھی ہم یہودی ہی کنٹرول کرتے ہیں اور امریکیوں کو بھی اس حقیقت کا ادراک اور احساس ہو جانا چاہیے''۔

15 نومبر 1998ء کی اپنی ایک اشاعت میں فرانس کے ایک کثیرالاشاعت اخبار (AGENCE FRANCE PRESS) نے اسرئیل کے اسی وزیراعظم جنرل شیرون کے درج ذیل دہشت گردانہ الفاظ قلمبند کیے ہیں۔

''اسرائیلی ریاست اور یہودیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کا مواخذہ، ٹرائیل اور استحصال کریں مگر دنیا میں کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہودیوں اور ان کی سلطنت اسرئیل کے خلاف کوئی مقدمہ قائم کرے ــــــــــ اور میں ڈنکے کی

چوٹ کہتا ہوں کہ اگر میں سویلین اسرائیلی ہوتا اور مجھے کوئی فلسطینی مل جاتا تو مار دینے سے پہلے اس پر تشدد کرتا اور پھر اسے جلا کر بھسم کر دیتا‘‘

یہودیوں کی فتنہ پرور جبلی فطرت اور شیطانیت کے بارے میں اس وقت کے امریکی صدر فرینکلن نے 1789ء میں جو کچھ کہا تھا ٹھیک 144 برس بعد ایسے ہی خیالات کا اظہار اور عملی اقدامات اس وقت کے جرمن چانسلر ہٹلر نے کیا تھا جب اس نے جرمنی کی ساری بدحالی اور معاشی و معاشرتی خرابیوں کی جڑ یہودیوں کو قرار دیا تھا اور اس نے کہا تھا:

"JEWS ARE CANCER ON THE BREAST OF GERMANY, URGENT OPERATION OF WHICH IS MUST FOR HEALTH, BETTERMENT AND DEVELPMENT OF GERMANY"

’’یہودی جرمنی کے لیے چھاتی کا کینسر ہیں اور جرمنی کی صحت اور فلاح و ترقی کے لیے اس کینسر کا کاٹ پھینکنا اشد ضروری ہے‘‘

موجودہ دور کے ایک معروف تجزیہ نگار اور ’’تہذیبوں کے تصادم‘‘ (CLASH OF CIVILIZATIONS) کے مصنف سیموئل ہنٹنگ ٹن (SAMUEL.P. HUNTINGTON) کو بھی اس تاریخی سچائی کا اعتراف کرنا پڑا کہ:

’’مغرب نے دنیا کی قیادت‘ اپنی اعلیٰ فکر، بہترین اقتدار، اخلاقیات یا مذہب کے بل بوتے پر نہیں بلکہ منظم ریاستی دہشت گردانہ کاروائیوں کے ذریعے حاصل کی ہے۔ اہل مغرب تو شاید اس تلخ حقیقت کو بھول جاتے یا نظر انداز کر جاتے ہوں مگر غیر مغربی اقوام اسے کبھی نہیں بھول سکتیں‘‘

ہٹلر سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے لاکھوں یہودی کو مار دینے کے اس ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیوں کیا؟ تو اس کا جواب تھا کہ میرا ارادہ سارے یہودیوں کو مار دینے اور ان کا بیج بھی باقی نہ چھوڑنے کا تھا مگر میں نے کچھ یہودیوں کو اس لیے زندہ چھوڑ دیا کہ بعد میں آنے والی ہماری نسلیں خود اس تلخ تجربے سے گزر کر اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ میں نے ان کو مارنا اور ختم کرنا

کیوں ضروری سمجھا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور آج پوری دنیا اور عالم اسلام بطور خاص اس تکلیف تجربے سے گزر کر اس حقیقت کا بخوبی اندازہ کر چکا ہے کہ آج جرمنی کی چھاتی کا یہ کینسر مشرق وسطیٰ بلکہ پورے عالم اسلام کی چھاتی کا کینسر بن چکا ہے۔ صدیوں پر پھیلی انسانی تاریخ، آسمانی صحائف و کتب میں درج پیش خبریوں، امریکی صدر فرینکلن، جرمن کے ہٹلر، ہنٹنگ ٹن اور دوسرے لوگوں کی پیش خبریوں اور تاریخی حقائق کا گہرا اور غیر جانبدانہ تجزیہ اس حقیقت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیتا ہے کہ اصل دہشت گردی کیا ہے اور حقیقی دہشت گرد کون ہیں؟ وہ کون ہیں جنہوں نے:

☆ اپنی ہی قوم و نسل کے ایک دو نہیں سینکڑوں نبیوں کا بہیمانہ قتل کیا؟

☆ مکر و فریب کے نت نئے ہتھکنڈے استعمال میں لا کر کس نے بار بار کرۂ ارض کو فساد فی الارض سے بھرا؟

☆ ملک کے اصلی باشندوں۔ ریڈ انڈین۔ کی دہشت گردانہ نسل کشی کس نے کی کہ آج ان کے آثار قدیمہ بھی ناپید ہیں!

☆ لاکھوں افریقیوں کو صدیوں تک ظلم و جبر سے غلامی کی زنجیروں میں کس نے جکڑے رکھا؟

☆ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں انسانی جانوں کے اتلاف کا ذمہ دار کون تھا؟

☆ انسانی تاریخ میں پہلی بار ایک یہودی کے ایجاد کردہ ایٹمی حملہ سے دہشت گردانہ حملہ کر کے جاپان کے دو ہنستے بستے شہروں کو صفحۂ ہستی سے کس نے مٹایا؟

☆ ہوس ملک گیری کے لیے لاکھوں بے گناہ ویتنامیوں کو کس کی ریاستی دہشت گردی نے لقمہ اجل بنایا؟

☆ فلسطینیوں کے 76 فیصد رقبہ پر ظلم و جبر اور دہشت گردانہ کاروائیوں کے ذریعے ناجائز قبضہ کس نے کیا؟

☆ کوریائی جنگ کس کی ریاستی دہشت گردی کا نتیجہ تھی؟

☆ خلیجی جنگ (GULF WAR) میں لاکھوں بے گناہ کس کی ریاستی دہشت گردی کا شکار ہوئے؟

☆ 1982ء میں شتیلہ اور صابرہ فلسطینی مہاجر کیمپوں کے اندر دہشت گردانہ بمباری

کر کے 3500 معصوم فلسطینیوں کا قتل کس نے کیا؟

☆ مہلک ہتھیاروں کی تلاش کے بہانے ایک آزاد خود مختار ملک عراق پر ریاستی دہشت گردی کس کا کارنامہ ہے؟

☆ مختلف حیلوں بہانوں سے اپنے مہلک ہتھیاروں کے زور پر مسلم ممالک کے قدرتی معدنی وسائل پر قبضہ' کیا ریاستی دہشت گردی کی بدترین شکل نہیں؟

☆ کتوں کو شرمندہ کر دینے والی اپنی ننگِ انسانیت تہذیب کو بندوق کے زور پر دوسروں پر مسلط کرنا' کیا ریاستی دہشت گردی نہیں؟

☆ کہیں نام نہاد دہشت گردی کے نام پر، کہیں نام نہاد انسانی آزادی کی آڑ میں، کہیں جمہوری روایات کی حمایت میں، کہیں اعتدال پسندی کا نعرہ لگا کر فساد فی الارض اور امن کی تباہی کا مرتکب کون ہو رہا ہے؟

☆ عراق، افغانستان، فلسطین، لبنان، کشمیر، بوسنیا، پاکستان کے مختلف گنجان آباد علاقوں میں ڈیزی کٹر، ڈرونز، اور لیزر گائیڈ میزائل حملوں کے ذریعے پر امن لوگوں کا ریاستی دہشت گردی کے ذریعے خون کون بہا رہا ہے؟ عورتوں اور معصوم بچوں کے چہرے کون بگاڑ رہا ہے؟۔

☆ ظالمانہ ریاستی دہشت گردی کے ذریعے پر امن لوگوں کے گھر تباہ کر کے انہیں انفرادی انتقام پر کون مجبور کر رہا ہے؟

☆ وہ کون سے خفیہ ہاتھ ہیں جو اپنے مذموم مقاصد کے لیے صرف مسلمانوں ہی کو دہشت گرد قرار دلوانے پر تلے ہوئے ہیں؟ حالانکہ جہاد دہشت گردی نہیں بلکہ یہ بنیادی اسلامی فلسفہ اور ایک مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے اسلام تو اپنے ہر پیروکار کو یہ درس دیتا ہے کہ ایک انسان کا بلاوجہ قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔

☆ القاعدہ اور اسامہ کی تلاش اور انہیں ختم کرنے کے بہانے افغانستان کا کارپٹ بمباری کے ذریعے تورا بورا بنا دینا، پاکستان کے اندر تخریب کاری اور دہشت گردانہ کاروائیوں اور ڈرون حملوں کا لامتناہی سلسلہ، امریکا اور یورپ کی مدد سے اسرائیل کی مشرق وسطیٰ

میں نصف صدی پر پھیلی تباہ کن ریاستی دہشت گردی کا سفا کانہ سلسلہ پکار پکار کر زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ اصل دہشت گردی کیا ہے اور حقیقی دہشت گرد کون ہیں۔

اسرائیل اپنی موروثی دہشت گردی بند کر دے، امریکا اور اس کے اتحادی مسلم ممالک سے نکل جائیں، ہر قسم کی دہشت گردی ختم۔ آزمائش شرط ہے۔

فرد کے لئے اجتماعیت کی ضرورت

اور

تنظیم اسلامی کی دعوت

انجینئر مختار فاروقی

1۔ تنظیم سے کیا مراد ہے؟ تنظیم اسلامی کے خدوخال کیا ہیں؟ یہ کس لئے وجود میں آئی ہے؟ اور یہ دوسری جماعتوں اور تنظیموں سے کیسے اور کس حد تک مختلف ہے؟ اس قسم کے کئی اور سوالات بھی ہیں جو آج کسی جماعت یا تنظیم کا نام سنتے ہیں ہمارے ذہنوں میں ابھرتے ہیں۔ اس بات کو واضح کرنے کیلئے کچھ باتیں بطور تمہید ضروری ہیں تا کہ تنظیم اسلامی کو صحیح CONTEXT اور پس منظر میں دیکھا جا سکے' اور اگر ہمارا دل گواہی دے کہ یہ ہماری کوئی حقیقی ضرورت ہے تو پھر ہم میں اس کی طرف پیش قدمی کا ایسا جذبہ بیدار ہو سکے جو منفعت اور کامیابی کے ہر موقع سے بھرپور استفادے کے لئے ہمارے اندر پیدا ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس اجمال کی تفصیل کیا ہے؟

2۔ تنظیم اسلامی ایک ہیئت اجتماعیہ ہے جو امت مسلمہ کے بعض باشعور افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ ادارے، جماعتیں اور تنظیمیں' افرادِ نسل انسانی کی ایسی بنیادی ضرورت ہیں کہ اس کے لئے کسی طویل مدلل مقدمے کی بجائے تاریخ انسانی کی ایک اٹل اور نا قابل تردید حقیقت کی طرف اشارہ کافی ہے کہ فرد اور جماعت کی تاریخ دراصل انسان کی تاریخ ہی کی طرح قدیم ہے اور ماضی میں کسی ایسے دور کا حوالہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی فرد نسل آدم جماعت کے بغیر زندگی گزارتا رہا ہو، یہاں تک کہ قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے واقعہ میں بھی سورۃ الاعراف میں جمع کے صیغہ میں خطاب کیا گیا ہے اور دوسری جگہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ فرد اور جماعت کا تعلق ایسا لاینفک (INSEPARABLE) ہے کہ فرد کا

تصور جماعت کے بغیر ممکن نہیں اور جماعت کا تصور افراد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جماعت ہر فرد کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ آج بھی دنیا میں زندگی کے ہر شعبے اور ہر علاقے میں ہر شخص اس کی ضرورت اور اہمیت کا ایسا احساس اور تجربہ رکھتا ہے کہ اس پر دو رائیں ممکن نہیں ہیں۔

3۔ فرد اور جماعت کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر جماعت فرد کی کسی نہ کسی ضرورت کی تکمیل اور جذبے کی تسکین کے لئے وجود میں آتی ہے اور یوں انسان اپنے فکر و نقطۂ نظر، ذاتی رجحانات، ماحول، پیشہ اور دیگر عوامل کے زیر اثر مختلف جماعتوں میں سے کسی نہ کسی کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔

بعض جماعتیں جو جزوی مقاصد رکھتی ہیں وہ انسان سے جز وقتی توجہات چاہتی ہیں لیکن بعض جماعتیں جو گمبھیر مقاصد اور کثیر الاطراف سرگرمیاں رکھتی ہیں انسان کو پوری طرح اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں اور یوں ایک مقام ''فنافی الجماعت'' سامنے آتا ہے جہاں فرد کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فرد انسانی ذاتی حیثیت میں ایک آزاد، خود مختار اور باشعور مخلوق شمار ہوتا ہے۔ یہ اگر ایک انتہا ہے تو کسی بڑی جماعت میں گم ہو کر یہی اوصاف (کسی اعلیٰ تر جماعتی مقاصد کے لیے) گھٹ کر برائے نام رہ جاتے ہیں۔ تاریخ میں فرد اور جماعت کے تعلق اور دائرہ کار کے بارے میں افراط و تفریط کی بے شمار مثالیں ہیں۔ اس ضمن میں اعتدال اور توازن کا حصول جو دراصل فرد و جماعت دونوں کے لئے آگے بڑھنے کی ضمانت ہے بہت شاذ ہے۔

حقیقتاً ایسی جماعت ہی مقصود ہونی چاہیے جو اپنے افراد کے ذاتی کردار کی تعمیر کر سکے اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکے اور جماعت میں شامل تمام افراد کی ذاتی صلاحیتوں کو ایسے اعلیٰ طریقے (OPTIMUM PATH) پر استعمال کر سکے جس سے جماعتی اہداف اور مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے۔ اس کے لیے ہر فرد کو اپنی جماعت کے مقاصد پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے اور طریقہ کار پر بھی۔ اس لئے کہ اس میں ذرا سی غفلت فرد اور جماعت دونوں کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی ہے یعنی ع یک لحظہ غافل بودن وصد سالہ راہم دور شد

4۔ جماعتیں اور تنظیمیں اگر فرد کی کسی ضرورت کی تکمیل، جذبوں کی تسکین اور احساسات کو جلا بخشنے کے لئے وجود میں لائی جاتی ہیں تو اس سے پہلے کہ جماعتوں اور تنظیموں کے مقاصد اور

دائرہ پر نظر ڈالی جائے مناسب یہی ہے کہ پہلے انسان کی مادی نفسیاتی اور دیگر ضرورتوں کا جائزہ لیا جائے تاکہ یہ بات نکھر کر سامنے آجائے کہ کونسی جماعت فردِ نوع بشر کے لئے کونسی خدمت سرانجام دے رہی ہے۔

دنیا میں حیات(LIFE) کی کئی شکلیں(FORMS) اور مدارج(STAGES) ہیں مگر حتمی طور پر انسان اشرف المخلوقات ہے جس پر سائنس بھی قرآن کے ساتھ متفق ہے۔انسان دو ''وجود'' رکھتا ہے اور دونوں اعتبارات سے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام مخلوقات سے ''مکرم'' کر کے ''احسن تقویم'' کے مقام پر رکھا ہے۔انسان کا ایک وجود مادی اور جسمانی ہے جب کہ دوسرا غیر مرئی اور روحانی ہے۔لہٰذا انسان کے جسمانی تقاضے بھی ہیں اور روحانی بھی۔

انسان کے جسمانی تقاضوں میں خوراک، لباس، رہائش، علاج، تعلیم اور شادی ہیں جب کہ نفسیاتی اور روحانی تقاضوں میں تلاش حقیقت، انسان کی حقیقت کا صحیح علم، ذرائع علم کا صحیح ادراک اور انسانی زندگی کی ابتدا اور انتہا کی کھوج کرید اور سب سے اوپر اپنے خالق و مالک کی معرفت اور اس کی رضا جوئی کی تلاش شامل ہیں۔ان تقاضوں میں سے ایک یا ایک سے زائد کئی تقاضوں کی فراہمی و آبیاری کے لئے مختلف ادارے، انجمنیں اور جماعتیں وجود میں آتی ہیں۔

یہ ادارے اور انجمنیں کسی مخصوص گوشے میں انسانی ضرورت کی تکمیل کرتی ہیں بعض انجمن انسانی پیشوں سے متعلق ہیں جیسے مزدوروں کی انجمن، بعض انجمن تجارت کے شعبوں سے متعلق ہیں جیسے انجمن صرافان، انجمن آڑھتیاں، انجمن تاجران مال روڈ، کسان دوست تنظیم۔ بعض ذات برادری کی فلاح و بہبود کے لئے بھی ہیں۔انجمن بہبود قریش، انجمن فلاح راجپوتاں وغیرہ۔حتیٰ کہ آج کل فلور ملز ایسوسی ایشن، ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن وغیرہ وغیرہ۔حتیٰ کہ پیشہ دار انجمنوں میں جمعیت طلباء عربیہ، جمعیت طلباء اسلام، اسلامی جمعیت طلباء، پیپلز یوتھ، بعض انجمن مسلکی بنیادوں پر قائم ہوتی ہیں جیسے شبان اہل حدیث، شبان توحید والسنہ وغیرہ۔کئی ادارے اور انجمنیں مل کر ایک جماعت کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ جماعت(PARTY) کا کام اداروں اور انجمنوں سے بہت وسیع اور کثیر الجہت ہوتا ہے۔ان جماعتوں میں بعض جماعتیں نظریاتی جماعتیں ہوتی ہیں ان کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا ہے۔ پھر انہی جماعتوں میں سے جو جماعت مقاصد کے

اعتبار سے برتر اور اعلیٰ ہوتی ہے وہ انسانوں کو اس حد تک متأثر کرتی ہے اور اتنی پھیل جاتی ہے کہ ہم خیال وہم مقصد انسانوں کی ایک کثیر تعداد اس کے زیر اثر آ جاتی ہے، تا آنکہ وہ کسی خاص علاقے اور خطے میں حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں تا کہ وہ جماعت اپنے زیر اثر افراد کے لئے اپنے فکر و فلسفہ، دین و مذہب اور پسند و ناپسند کے عین مطابق اجتماعی نظام تشکیل دے جس میں فرد کی تعلیم اور نشوونما کا ایسا اعلیٰ اور معیاری اہتمام ہو کہ اس نظریہ اجتماعی کا بول بالا ہو جائے اور اس کے اندر مضمر ہر طرح کے خیر و شر کو پھلنے پھولنے کا موقع میسر آ جائے ایسی جماعتیں انسانی تاریخ کی میزان میں اعلیٰ ترین اور موثر ترین اجتماعیت کے ذیل میں شمار کی جاتی ہیں۔ یہ درجہ اب تک کی انسانی تاریخ کی معراج (CLIMAX) ہے۔ بعض نظریاتی جماعتیں ملکوں کی سرحدوں کو عبور کر کے دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں اور کئی ممالک میں اپنے اثرات رکھتی ہیں۔

فرد ـــــــــــ جماعت ـــــــــــــ اور اجتماعیت کے اس سفر میں اب ایک ہی ممکنہ جست (DEVELOPMENT) کا امکان باقی ہے جس کی طرف انسانی کی دبی ہوئی خواہش اسے صدیوں سے محوِ سفر رکھے ہوئے ہے اور جس کے لئے انسانیت بے قرار ہے، وہ ایک ایسی اجتماعیت یا حکومت کا قیام ہے جو عالمی ہو اور پورے کرۂ ارضی کو محیط ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی اجتماعیت جس جماعت کے ذریعے وجود میں آئے گی پہلے خود اس جماعت کے نظریات ایسے اعلیٰ ہوں گے جو تمام زمینی اور پست علائق سے پاک ہوں گے پھر اس کے پاس اہداف و مقاصد بھی ایسے پاکیزہ اور مقدس ہوں گے جو کسی خاص علاقے، نسل، زبان، رنگ، پیشے اور انسانی طبقے سے متعلق نہ ہوں بلکہ اس کی دعوت بلا امتیاز رنگ و نسل مذہب و جنس ہر انسان سے ہو۔ ایسی جماعت کا وجود نوع انسانی کے لئے سب سے بڑی رحمت ہے اور اس کے سابقون الاولون یقیناً زمین کا نمک اور خیر الخلائق کہلانے کے مستحق ہیں۔

5۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تمام انسانوں کی ضروریات ایک جیسی ہی ہیں مگر ہم انسانوں کی کم فہمی، کم علمی اور غلط تربیت کی وجہ سے ہماری باطنی کیفیات صحیح نشوونما نہیں پا سکتیں جس کی وجہ سے انسان بے شمار گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں جو اپنے طرزِ فکر، ذہنی سطح، غلط ماحول، غلط تربیت، نامناسب موروثی حالات اور معاشی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے نامکمل شخصیات

(INCOMPLETE OR RETARDED PERSONALITIES) رہ جاتی ہیں، یا مادی اور روحانی تقاضوں کے درمیان کشاکش کا صحیح حل نہ پانے کی وجہ سے منقسم شخصیات (DIVIDED PERSONALITIES) بن کر عملاً عضو معطل بن جاتے ہیں جو اجتماعیت کے کسی مفید کام نہیں آسکتے، یا کسی وجہ سے ان کی باطنی شخصیات صحیح راہ نمائی نہ ہونے کی وجہ سے مسخ شدہ (PERVERTED) رہ جاتی ہیں۔

نتیجتاً عملی اعتبار سے انسانوں کی ضروریات کے کثیر مدارج (LEVELS) شمار کئے جا سکتے ہیں۔ کچھ انسان صرف مادی ضروریات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور گزشتہ زمانے کے اپنے ہم خیال لوگوں کے نظریات کو حق سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور انہی کے پرچار میں لگ جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض جو ذرا آگے بڑھ جاتے ہیں وہ ضمیر انسانی کے زیر اثر کچھ اخلاق و کردار پر متوجہ ہوتے ہیں۔ بعض ذرا اور آگے بڑھ کر مذہب کے میدان میں سرگرم ہو جاتے ہیں؛ اس لئے کہ عملی اعتبار سے مذہب ہی اخلاق و کردار کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ کچھ باہمت لوگ مزید پیش رفت کر کے نفسیاتی اور روحانی تقاضوں کی بلندیوں کو چھو لیتے ہیں اور اس طرح انسانیت اور نسل و آدم کا ''حاصل'' کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔

6۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان میں یوں کہا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو تمام ناگزیر ذہنی، فکری اور اخلاقی صلاحتیں لے کر آتا ہے مگر ماحول کے اثرات اسے عملاً مختلف مذاہب اور نظریات کے تابع بنا دیتے ہیں یا فلسفیانہ اعتبار سے یوں کہا گیا ہے کہ انسان حاصل ضرب ہے موروثی عوامل اور ماحول (تربیت) کے اثرات کا۔ نظری طور پر انسان اس باطنی اور فطری پہلو سے بے شمار درجات پر کھڑے ہیں یا بے شمار دائروں میں منقسم ہیں۔ لہٰذا ______ نتیجتاً اتنے ہی بے شمار ادارے، انجمنیں اور جماعتیں ہیں جو ان انسانوں کو اپنے اندر جگہ دیئے ہوئے ہیں۔ کچھ ادارے انجمنیں اور جماعتیں واضح اور اعلان شدہ (UNDECLARED) اور بعض غیر واضح (UNDETINED) اور غیر اعلان شدہ ہوتی ہیں۔ ان مؤخر الذکر قسم کی اجتماعیّتوں کو ابن خلدون نے عصبیتوں کا نام دیا ہے۔

7۔ آج پوری دنیا پر مغرب کے مادی تصورات اور نظریات کی یلغار ہے جس سے عملاً

انسانوں کی ایک عظیم اکثریت اس دجالی فتنے کے زیر اثر آ چکی ہے۔اس فتنے میں محسوس اور مادی اشیاء کی اہمیت پر زیادہ زور ہے جب کہ غیر مرئی حقائق (UNSEEN WORLD) کا اگر چہ نہ اقرار ہے نہ انکار، تاہم عملی اعتبارات سے انکار ہی کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور عالمی سطح پر فساد پھیلا رہے ہیں، مادہ (MATTER) کی اہمیت زیادہ ہے جب کہ روح (SOUL) زیر بحث نہیں، کائنات اور موجودہ زندگی (UNIVERSE AND LIFE HERE-IN) پر توجہ مرکوز ہے اور نت نئی جہتیں دریافت ہو رہی ہیں جب کہ حیات بعد الممات (LIFE HERE-AFTER) کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ موت تک کا تذکرہ بھی مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ ایک اٹل حقیقت ہے۔اور کائنات کے مقابل خالقِ کائنات کا ذکر تو اکثر لوگوں کے نزدیک اور اکثر حالات میں ہے ہی فضول، جس کا کچھ حاصل نہیں۔

اس دور میں مذہب، اخلاق اور روحانی قدروں کا تذکرہ اور ان کے لئے جد وجہد کرنے والے لوگ نہایت قلیل ہیں۔ مادہ پرستی کے اس دجالی فتنہ کے زیر اثر مسلمانوں کا حال بھی مجموعی طور پر دوسرے عام انسانوں جیسا ہی ہے۔اگر چہ مادی ضروریات سے اوپر اٹھ کر اخلاق اور سیرت و کردار کے اعتبار سے انفرادی سطح پر مسلمانوں میں فی ہزار اچھے لوگوں کی تعداد دیگر تمام مذاہب کے مجموعی افراد سے بھی کہیں زیادہ ہے اور ایسے لوگ لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے جن کی امانت و دیانت کی قسم کھائی جاسکتی ہے، تاہم ایسے باہمت افراد کی شدید کمی ہے جو ایسی ہیئت اجتماعیہ میں شریک ہوں جو اجتماعیت کی اعلیٰ ترین سطح پر بھی ہو، نیز جو مادی اور روحانی ضرورتوں سے آگاہ بھی ہوں اور اس کے لئے مقدور بھر کوشش بھی کر رہے ہوں تاکہ مذکورہ اجتماعیت دنیا کے کسی خطے میں اللہ کے آخری نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کو غالب کرنے میں کامیاب ہو جائے۔آج ایسے افراد بھی ڈھونڈے سے مشکل ہی ملیں گے اور ایسی اجتماعیت بھی جہاں کہیں بھی ہے کسی ابتدائی مرحلے میں ہی ہے۔خود آگاہی کے اس مقام کے ساتھ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کرنے والے لوگوں کو آج کی اصطلاح میں بنیاد پرست (FUNDAMENTALISTS) کہا جاتا ہے اور یہ بات ELITE طبقہ اور آوارہ مزاج (LIBERALS) کے ہاں گالی کا درجہ رکھتی ہیں۔

8۔ تنظیم اسلامی ایک ایسی ہی جماعت ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے

قرآنی نظامِ سیاست ومعیشت ومعاشرت کو پہلے ایک خطہ پاکستان میں غالب ونافذ کرنے کے لئے جدوجہد کررہی ہے جو دوسرے مرحلہ پر تمام کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کو اپنے اندر سمو لے گا۔ یعنی تنظیم اسلامی قرآن مجید کے بیان کردہ نظام سیاست و معاشرت و معیشت (POLITICO, SOCIO, ECONOMIC SYSTEM) کی علمبردار ہے جو ہر قسم کی علاقیت سے پاک اور رنگ ونسل و مذہب وجنس کے علائق وامتیازات سے بالاتر ہوکر صرف اللہ کے قانون کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر نافذ کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ عالم الفاظ میں قرآن مجید کے نظام عدل اجتماعی کو بلا لحاظ رنگ ونسل، زبان، علاقہ، مذہب، پیشہ اور حیثیت عام کر کے ہر شخص کو اس کی دہلیز پر روٹی کپڑا مکان، تعلیم، علاج معالجہ کی سہولیات باہم پہنچانا چاہتی ہے۔

9۔ تنظیم اسلامی ——— افراد کی تربیت و پرداخت پر بھی بھرپور توجہ دینے کی حامی ہے تاکہ فرد کی صلاحیتوں کو جلا حاصل ہو۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس (67ء) کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

> ''آج ہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممدومعاون ہو''۔
>
> ''ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے' اسی کی اخلاقی وروحانی تکمیل اور فلاح و نجات' دین کا اصل موضوع ہے۔ اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لیے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔''

اسی قرارداد میں مزید یہ درج ہے کہ:

> ''اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو' ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے' ان کے عقائد کی تصحیح وتطہیر ہو' عبادات اور اتباعِ سنت سے ان کا شغف بڑھتا چلا جائے' عملی زندگی میں حلال وحرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی پر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت واشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے''۔

فرد کی اصلاح و تکمیل کے اس منشور کے ساتھ ساتھ اجتماعی سطح پر تنظیم کیا پروگرام رکھتی ہے اس کا فیصلہ تنظیم کے سالانہ خصوصی اجتماع 5 تا 11 اگست 77ء منعقد لاہور کی کاروائی میں ہے۔ جس میں چھ دن کی طویل نشستوں کے فیصلوں کا ذکر ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(i) ''اقامت دین، شہادت علی الناس اور غلبہ و اظہار دین کی سعی جد و جہد، نفلی عبادات یا اضافی نیکیاں نہیں بلکہ از روئے قرآن و حدیث بنیادی فرائض میں شامل ہیں''۔

(ii) ان فرائض کی ادائیگی کے لئے التزام جماعت لازم ہے۔

(iii) ''آئندہ تنظیم اسلامی کا نظام ———— قرآن سنت سے ماخوذ اور اسلاف کی روایات کے مطابق بیعت کے اصول پر مبنی ہوگا''

فرد کی تربیت اور اجتماعی اعلیٰ مقاصد وہ خصوصیات ہیں جو (ممکنہ حد تک) تنظیم اسلامی اپنے جلو میں رکھتی ہیں اور ان کے حصول کے لیے اپنے آغاز سے ہی کوشاں ہے۔

10۔ تنظیم اسلامی افراد کی تربیت کا کیا ہدف رکھتی ہے اور ان کو اجتماعی مقاصد کے حصول کے لئے کس طرح استعمال کرنا چاہتی ہے یہ نہایت بنیادی سوال ہے۔ علامہ اقبال نے اسے ایک شعر میں سمو دیا ہے۔

ؔ خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

افراد کی تعمیر سیرت، کردار سازی، خودی کی تعمیر یا شاہین اور قرآن کا مرد مؤمن بنانے کے لئے قرآن کریم کے بتائے ہوئے دینی فرائض کا ایک صحیح تصور (CONCEPT) ناگزیر ہے۔ افراد کے کرنے کے کام کیا ہیں؟ ان کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور جماعت کی حیثیت سے کرنے کے کیا کام ہیں؟ اس کا ایک واضح نقشہ ہے جو ہمارے پیش رہنا ضروری ہے۔

تنظیم اسلامی کے لٹریچر میں دینی ذمہ داریوں کا ایک تصور موجود ہے جو ایک سہ منزلہ عمارت کی شکل میں ہے۔ ایک حصہ بنیاد پر مشتمل ہے اور تین منزلیں اوپر۔

الف: اس سہ منزلہ عمارت کی مثال میں بنیادی حصہ اس کی بنیاد ہے جو کرسی (PLINTH LEVEL) سے نیچے ہے اس کے لیے قرآن حدیث کی اصطلاح ''ایمان'' ہے لیکن بنیاد کی طرح

اس ایمان کے بھی دو حصے ہیں ایک حصہ نظر آتا ہے جب کہ دوسرا زیر زمین ہوتا ہے۔ایک قانونی ایمان یعنی اسلام، جوکلمہ شہادت پڑھنا ہےاور جس کا اعلان واظہار لازمی ہے جب کہ دوسرا حصہ ایمان حقیقی ہے جواز روئے قرآن دل میں مخفی ہوتا ہے۔اس حقیقی ایمان کی کیفیات بدلتی رہتی ہیں اعلیٰ ایمان کی کیفیت کوایک حدیث پاک میں ''احسان'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جسے عرف عام میں تصوف بھی کہہ دیا جاتا ہے۔اس مثال میں عمارت کی مضبوطی عموماً بنیادوں کی گہرائی پر منحصر ہوتی ہے لہٰذا بنیادوں کی مضبوطی، ایمان حقیقی اور گہرائی کواحسان کی اصطلاح سے واضح کیا گیا ہے۔

ب: اب کرسی (فرش) سے اوپر پہلی منزل شروع ہوتی ہے۔مروّجہ طرز تعمیر میں کے چار ستونوں اور تین چھتوں پر مشتمل یہ عمارت ہے۔پہلی منزل پر چار ستون اسلام کے چار ارکان (فرائض) ہیں۔یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوۃ۔یوں بنیاد کا ظاہری حصہ ملا کر یہ چار ستون مل کر فرمان رسالت ﷺ''بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ''کامفہوم واضح کرتے ہیں ان چار ستونوں پر ایک چھت ہےاس چھت کونام دیا گیا ہے''ہر مسلمان کا اپنی ذاتی زندگی میں اللہ کا بندہ بننا''اور یہ ہر شریک تنظیم کی پہلی ذمہ داری ہے۔اس کے لیےقرآن وحدیث کی اصطلاحات ہیں:(i) اسلام (ii) عبادت (iii) اطاعت اور (iv) تقویٰ۔

ج: اب پہلی چھت سے چار ستون مزید بلند ہوتے ہیں یہ فرائض توجوں کے توں رہیں گے اب دوسری چھت کے کا مرحلہ ہے اس چھت کوموسوم کر سکتے ہیں۔تبلیغ، دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر، تحریر تقریر، درس تدریس، شہادت علی الناس۔

د: دوسری چھت کے بعد تیسری منزل کا مرحلہ ہے۔وہی فرائض وارکان اسلام کے چار ستون علی حالہ اوپر اٹھیں گے اور اس پر تیسری چھت آئے گی اس چھت کو نام دے سکتے ہیں ''اجتماعی سطح پر دین کے غلبے کے لئے کوشش اور جدوجہد کرنا''۔اگر تعمیر سیرت وکردار صحیح رخ پر ہے تو یہ مرحلہ بھی فطری اور لازمی ہے اس کے لیےقرآن وحدیث کی اصطلاحات ہیں:(i) کل دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ (ii) غلبہ دین۔ (ii)اظہار دین حق۔ (iv) اعلاءِ کلمۃُ اللہ (v) تکبیرِ رب ـــــــــ مزید مروّجہ اصطلاحات ہیں (vi) حکومت الٰہیہ (vii)اسلامی انقلاب (viii)نظام مصطفیٰ ﷺ (ix) آسمانی بادشاہت ـــــــــاور مناسب ترین اصطلاح از

روئے حدیث(x) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ۔

۵: اب اس عمارت کے در دیوار اور نقش ونگار ہیں جو عام اخلاقی قدریں اور حسن سلوک اور حسن معاشرت کے علاوہ آداب پر بھی مشتمل ہیں۔ جیسے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: "مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ" یعنی کسی شخص کے اسلام کی خوبصورتی اور حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی امور کو ترک کردے۔ اوپر درج کردہ سہ منزلہ عمارت کی مثال کا تصور حضرت محمد ﷺ کا عطا کردہ ہے اور حدیث پاک میں یوں وارد ہوا ہے۔

عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اَلْاِسْلَامُ ثَلَاثَةُ اَبْیَاتٍ: سُفْلٰی وَعُلْیَا وَ غُرْفَةٍ؛ اَمَّا السُّفْلٰی فَالْاِسْلَامُ، دَخَلَ عَلَیْهِ عَامَّةُ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَایُسْأَلُ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اِلَّا قَالَ اَنَا مُسْلِمٌ، وَاَمَّا الْعُلْیَا فَتَفَاضُلُ اَعْمَالِهِمْ، بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ اَفْضَلُ مِنْ بَعْضٍ وَاَمَّا الْغُرْفَةُ الْعُلْیَا فَالْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، لَایَنَالُهَا اِلَّا اَفْضَلُهُمْ (کنزالعمال کتاب جهاد)۔

''حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اسلام تین منزلہ مکان ہے سب سے نچلی منزل اسلام میں داخل ہونا ہے (یعنی کلمہ پڑھنا) اس منزل میں عام مسلمان داخل ہوگئے ہیں پس تو جس سے سوال کرے گا کہ تو کون ہے (یعنی مسلمان ہو یا کافر) تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں مسلمان ہوں۔ اس سے اوپر کی منزل نیک عمل کی برتری ہے، بعض مسلمان عمل کے لحاظ سے برتر ہیں بعض سے۔ اور سب سے اعلیٰ منزل راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے، اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا مگر وہ جو سب مسلمانوں میں افضل ہو'

آیئے امت مسلمہ میں اعلیٰ ترین درجات کے حصول کے لئے کوششیں پہلے سے تیز کرنے کی ضرورت ہے۔

و:	اس عمارت کی مثال سے فرائض دینی کا جامع تصور سامنے آتا ہے۔اس کے تین ہی لوازم(COROLLARIES) ہیں۔

پہلا ــــــــــــ اس تعمیر کے لئے محنت اور کوشش درکار ہے، یعنی جدوجہد اور جہاد۔
دوسرا ــــــــــــ جماعت۔ان فرائض کی ادائیگی کسی جماعت کے بغیر ممکن نہیں ہے
تیسرا ــــــــــــ بیعت۔ایسی جماعت جو دین کے تصورات کے عین مطابق ہو وہ جماعت بیعت سمع واطاعت پر ہی قائم ہونی چاہیے تاکہ وہ منظّم ہو اور حقیقی معنوں میں تنظیم کہلا سکے۔

11۔	تنظیم اسلامی افراد کے لئے تربیت کا جو پروگرام رکھتی ہے وہ اوپر ایمان کی سہ منزلہ عمارت کے حوالے سے فرائض دینی کے تصور پر مبنی ہے۔اس مثال میں بنیاد اور تین منزلوں کی باہمی اہمیت وافادیت بھی نہایت اہم ہے۔

لہٰذا یہ بات قابل توجہ ہے کہ کسی عمارت کی نمایاں ترین اور دور سے نظر آنے والی منزل تو اگرچہ سب سے اوپر والی یعنی تیسری ہی ہوگی مگر اہمیت کے اعتبار سے صاف ظاہر ہے کہ اہم ترین منزل پہلی ہی ہے۔اس لیے کہ پہلی منزل تعمیر ہوگی تو دوسری اور تیسری کا مرحلہ آئے گا؛اس لیے پہلی منزل سے صرف نظر کرکے اوپر کے فرائض کی ادائیگی ممکن نہیں اسی طرح اگر کسی عمارت کی تعمیر میں بنیاد اور پہلی منزل میں اوپر کی منزلوں کی گنجائش نہ رکھی جائے تو اس صورت میں بھی اوپر کی تعمیر ممکن نہیں یعنی ان ہمہ جہتی اور مکمل فرائض دینی کی ادائیگی کے لئے اسی نوعیت کا یقین والا ایمان اور اسی خاص نوعیت کی پہلی منزل درکار ہوگی۔اصل یہ ہے کہ جس آدمی کی زندگی میں فرائض دینی کی دوسری اور تیسری منزل کا تصور نہیں ہے اس کے ایمان اور ذاتی زندگی میں بندگی رب کے تصور میں اور ــــــــــــ ایک دوسرے شخص جو تنظیم اسلامی کا فعال اور منتظم رفیق ہے اس کے ایمان اور ذاتی زندگی میں پہلی منزل پر بندگی رب کے تصور میں کیفیت وکمیت (QUALITY AND QUANTITY) کا واضح فرق ہوگا۔

ذاتی اور اجتماعی اہداف کے حصول کے لئے تنظیم اسلامی اپنے طریق تربیت میں نمایاں

حیثیت رکھتی ہے اور وہ ہے آلہ تربیت کے طور پر قرآن مجید کے تعلم و تعلیم کو اختیار کرنا۔ یہ چیز آج کے دور کی جماعتوں سے تنظیم اسلامی کو بہت نمایاں کرنے والی ہے اور دور نبوی علی صاحبہا الصلوۃ السلام سے گہری مشابہت پیدا کرنے والی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تنظیم اسلامی نے تو جنم ہی ''تحریک دعوت رجوع الی القرآن'' کی کوکھ سے لیا ہے اور ''انجمن خدام القرآن'' کی نوعیت کی انجمنوں کے ملک گیر بلکہ عالمگیر NETWORK کی آبیاری سے آگے بڑھ رہی ہے۔ یہ ایسا اعزاز ہے جو اسلام کی احیائی تحریکوں کے SCENARIO میں آج شاید مشکل ہی سے تلاش کیا جا سکے۔ چنانچہ امیر تنظیم کے خطابات ہوں یا رفقاء کے اسروں کے چھوٹے اجتماعات، تحریکی لٹریچر ہو یا عام دعوتی اجتماعات (CORNER MEETINGS) تمام گفتگو کا مرکز و محور قرآن ہی ہوتا ہے۔

اس نگاہ سے دیکھئے تو ایمان کی بات ہو تو قرآن کے حوالے سے ہے، ذاتی و تربیت کا مرحلہ ہو تو قرآن ہی کی بیان کردہ اساسات پر اس کی اٹھان ہے، دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی مساعی ہوں تو قرآن ہی کی رہنمائی میں اور اجتماعی سطح پر نظام خلافت کے قیام کا ذکر ہو تو بھی یقیناً قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق جہاد کے مراحل سامنے لائے گئے ہیں۔ بات جماعتی نظم کی ہو تو قرآن و سنت کی اصطلاح ''بیعت'' کا التزام ہے اور ضرورت شرکائے تنظیم کو متحرک (MOTIVATE) کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق سمع و طاعت کے نظام پر زور دیا جاتا ہے۔

اسی بنا پر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ تنظیم اسلامی فکر و فلسفہ اور طریق کار کے اعتبار سے نہایت گہری مشابہت رکھتی ہے قرن اوّل کے مسلمانوں سے۔ اس دور میں ایک سچے مسلمان کا جو نقشہ ذہنوں میں ابھرتا ہے بلکہ آج تک دشمنوں کے ذہنوں میں راسخ ہے وہ ہے قرآن اور جہاد کے ساتھ یعنی ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔ تنظیم اسلامی اسی کو اپنا MOTTO سمجھتی ہے، اور دنیا میں انقلاب لانے کے لئے اس راہ کے اولین مسافروں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں اور قربانیوں کی داستان کو نشان راہ بنائے ہوئے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلاشبہ انقلاب کے داعیٔ اوّل و اعظم حضرت محمد ﷺ کے ساتھی بنے اور اس کام میں بے شمار

قربانیوں دیں جانیں نچھاور کیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس جماعت کو شاباش دی WELL DONE کہا اور رضی اللہ عنہ خطاب بخشا۔

اس انقلابی جدوجہد اور انقلاب کے مؤثر ہونے کی تفصیلات جس کا مجموعی خوبصورت نام سیرت النبی ﷺ ہے آج ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور خاکِ بدر وتبوک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ اسی مہرِ ہدایت (سراجاً منیرا) کی کرنوں نے منور کیا تھا عرب کے شتربانوں کے سیرت و کردار کو اور آج اسی ماہ منیر ﷺ کی سیرت مطہرہ سے ماخوذ منہج انقلاب نبوی علی صاحبہا الصلوۃ السلام کی کرنیں رفقاءِ تنظیم اسلامی کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال رہی ہیں۔

12۔ دنیا کے مسلمان ممالک میں ہر مسلمان کے ذمہ اگرچہ وہی فرائض دینی ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں اور ان فرائض کی انجام دہی کے لئے کسی جماعت میں شریک ہونا بھی لازمی ہے مگر تاریخ کے بہاؤ کا جو رخ گزشتہ دو تین صدیوں سے چلا آرہا ہے اور اس میں پہلے سے جو مساعی اس راستے میں ہمارے اسلاف کر چکے ہیں وہ ایک کردار اور عمل کی حیثیت رکھتی ہیں اور یوں برعظیم پاک و ہند میں ''پاکستان'' کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اس کی حیثیت نمایاں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس خطہ میں قائم ہونے والی اس احیائی جماعت کی مثال ہمارے لئے وہی ہے جو کہ زمانہ ماسبق میں رسولوں اور نبیوں کے بارے میں "مِنْ اَنْفُسِهِمْ" کی تھی کہ ہمارے لئے اس میں زبان و علاقہ اور تہذیبی وثقافتی مغائرت کا کوئی پردہ حائل نہیں ہے اور اسی خطہ پاک کے فرزندانِ توحید کی مساعی کا انقلابی تسلسل ہے جسے قرآن میں "مِلَّةَ اَبِيْكُم" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اور اس تنظیم اسلامی کا وجود اس خطے کے مسلمانوں پر یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" کے مصداق اتمام حجت کی ایک ادنیٰ شکل ہے۔

آج جو لوگ زمانے میں رائج عزت کے جھوٹے میعارات کو ٹھوکر مار کر معاشرے سے کٹ کر تنظیم اسلامی کی دعوت پر لبیک کہہ کر آگے بڑھ رہے ہیں قرآن نے انہیں اس عزت کے خطاب سے نوازا ہے یعنی "هُوَ اجْتَبٰكُمْ" کہہ کر پکارا ہے۔ یہ اعزاز رفقاء سے اعلیٰ کارگردگی کی توقع رکھتا ہے اور اس راستے میں ہمت وعزیمت کی مثالیں قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے بقول شاعر ع اللہ کو پامردی مؤمن پہ بھروسہ۔ اللہ تعالیٰ ''اجتبائیت'' کے اس مقام پر پہنچنے والوں کو آخرت میں جن مقامات بلند کا ''عروج'' عطا فرمانا چاہتا ہے اس کی حقیقی جھلک تو آخرت ہی میں ملے گی۔ مَا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدہ) یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان چھپا رکھا

ہے۔تاہم اس کٹھن مشکل راستے کے تقاضے کے طور پر اللہ تعالیٰ ہم سے "وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" کا تقاضا ضرور کرتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ جس راہ پر قدم رکھا ہے اس کا حق ادا نہ کرسکیں اور یوں منزل سے ہم کنار نہ ہوسکیں۔اگر یہ بازی ہم کھیل سکیں تو فلاح کا وعدہ بھی ہے اور "فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ" کی نوید جانفزا بھی......جو راستہ کی سختیوں کو آسان کرنے والی ہے۔

13۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک بھی ہے اور خالق بھی،اسی نے انسان کو پیدا بھی کیا ہے اس انسان کے اندر بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں،خیر و شر کی تمیز بخشی ہے،ہدایت کے لئے سامان مہیا کیا ہے،اپنی محبت کی لو ہر دل میں روشن کی ہے،وحی اور انزال کتب کے ذریعے مخلوق کا خالق سے مضبوط رشتہ قائم کر دیا ہے اور اب انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کچھ تقاضے ہیں جو انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔

بے شمار تنظیمیں ادارے اور جماعتیں اپنے اپنے مقاصد کے لئے کوشاں ہیں۔ان میں رفاہی ادارے بھی ہیں قبائلی قومی اور مذہبی روایات کے تحفظ کی انجمنیں بھی۔مسلمانوں میں بھی اصلاحی کام کے لئے اجتماعی کوششیں اور تبلیغی مقاصد کی حامل جماعتیں بھی مصروف کار ہیں اور سب سے اوپر اسلام کے احیاء کے لئے کام کرنے والی جماعتیں بھی ہیں جو اسی میدان میں ہیں۔

میرے اور آپ کے لئے ''یہ محشر کی گھڑی ہے'' کہ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالیں اور سوچیں کہ میں کہاں کھڑا ہوں؟ میری ترجیحات کیا ہیں؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور اس مقصد کے حصول کیلئے میں کیا راست سمت کوشش کر رہا ہوں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو مبارک باد ہے۔بس ذرا یہ مزید غور کر لیجیے کہ تنظیم اسلامی کی ''دعوت اور طریق کار'' کہیں ''دعوت اور اس کا طریق کار'' کے اعتبار سے آپ کی اختیار کردہ اجتماعیت سے بہتر تو نہیں ہے۔اگر بہتر محسوس ہو تو پھر دیکھنا کوئی سابقہ تعلق اور دوستی اس بہتر OPTION کو اختیار کرنے میں آڑے نہ آنے پائے۔

اور_____ اگر جواب نفی میں ہے کہ میں تو اب تک بھولا رہا_____ یا _____ سبق تو یاد ہے مگر عملاً کوشش نہیں کر رہا_____ یا_____ سبق بھی یاد ہے عملاً کوشش بھی کر رہا ہوں مگر وہ اس اعلیٰ مقصد کے لئے نہیں ہے جو قرآن و حدیث سے ہر مسلمان کا ہونا چاہیے تو_____ پھر یقیناً یہ موقع ہے سوچئے_____ خوب سوچئے

ـــــــــ سوچ کر اس اجتماعی کوشش جس کا نام تنظیم اسلامی ہے ـــــــــ جو مروّجہ مفہوم کے اعتبار سے کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ بلکہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے۔ جو اولاً پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں دین حق یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر نظام خلافت قائم کرنا چاہتی ہے' اس میں شامل ہو جایئے؛ اس لئے کہ صبح کا بھولا دوپہر یا بعد دوپہر کیا شام کو بھی گھر آ جائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ کتنی دل لگتی بات فرمائی ہے رسول اللہ ﷺ نے "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ" (ابن ماجہ) (گناہ سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہے جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں) کیا آپ واقعی یہ نہیں چاہتے کہ آپ کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ آیئے گناہوں کی معافی کا ایک امکان موجود ہے۔

14۔ اب جو ہمت ور آگے بڑھ کر تنظیم اسلامی کی اس دعوت پر لبیک کہہ کر اس میں شمولیت اختیار کر لے اگرچہ حقیقتاً اس کے لئے تفصیلی طریقہ کار کے بارے میں وہی الفاظ ہو سکتے ہیں جو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے غالباً 4 ہجری میں مکہ میں سولی پر چڑھنے سے پہلے فرمائے تھے کہ ''جب میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے رہا ہوں تو مجھے پرواہ نہیں ہے کہ میرا لاشہ دائیں پہلو گرتا ہے یا بائیں''۔ تاہم کسی جماعت کے مرکزی رہنماؤں کے سامنے تو یقیناً قرآن وسنت سے ماخوذ واضح لائحہ عمل ہونا چاہئے اور اس پر مسلسل نگاہ بھی رکھنی چاہئے۔ رفقائے تنظیم اسلامی کو بھی گاہے گاہے اس پر تنقیدی نگاہ ڈالتے رہنا چاہئے۔ تنظیم اسلامی کے پیش نظر اسلامی انقلاب یا نظام خلافت کے قیام کا طریق کار یہ ہے کہ ـــــــــ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہوں وہ:

☆ سب سے پہلے خود پوری طرح مسلمان اور حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کے بندے بنیں اور اپنی ذات اور اپنے دائرہ اختیار میں شریعت اسلامی کو نافذ کریں اور اس کے لئے اپنے نفس کے خلاف جہاد بھی کریں اور بگڑے ہوئے ماحول سے بھی مردانہ وار کشمکش کریں اور دوسروں کو بھی مقدور بھر اس کی دعوت دیں۔

☆ باہم دینی اخوت اور ایمانی رشتوں میں بندھ کر آپس میں نہایت رحیم و شفیق اور دین

کے باغیوں اور مخالفوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

☆ امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر ہجرت وجہاد اور سمع وطاعت فی المعروف کی بیعت کر کے اس تنظیمی نظم سے منسلک ہو جائیں۔

☆ اور اس طرح جو اجتماعی قوت وجود میں آئے وہ ——— جب تک یہ قوت مناسب مقدار میں جمع نہ ہو جائے تن من دھن کے ساتھ اسی دعوت وتربیت اور تنظیم کی توسیع اور مضبوطی کی کوشش میں لگے رہیں اور سب سے زیادہ توجہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی اصلاح اور تزکیہ پر مرکوز رکھیں۔

☆ اس دوران میں تحریر وتقریر کے ذریعے بھلائی کی دعوت دیتے رہیں اور برے کاموں سے روکتے رہیں لیکن نہ ملکی انتخابات میں حصہ لیں اور نہ ہی کسی سیاسی ہنگامے میں فریق بنیں۔

☆ اس پورے عرصے میں کسی نکتہ چینی اور تمسخر سے بددل ہوں نہ کسی جبر وتشدد سے خوف کھائیں بلکہ کامل صبر وتحمل سے کام لیں اور ہرگز کوئی جوابی کاروائی نہ کریں۔

☆ اور جب مناسب قوت فراہم ہو جائے تو راست اقدام کے طور پر ——— اسلام نے جن برائیوں کی نشان دہی کی ہے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے کمر کس لیں۔

☆ اس کے لئے جلسوں جلسوں، مظاہروں اور ناکہ بندیوں کی شکل میں اپنی طاقت کے مظاہرے کے لئے تمام جدید ذرائع استعمال کریں اس شرط کے ساتھ کہ یہ سب کچھ پرامن ہو اور اس میں ان کی جانب سے کوئی تشدد نہ ہو۔

☆ اور اگر ان پر تشدد کیا جائے تو کمال صبر واستقلال کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ اس راہ میں جان دینے کو اپنے لئے سب سے بڑی کامیابی سمجھیں تا آنکہ اس پیہم کشمکش اور جہاد فی سبیل اللہ میں حق کا بول بالا ہو جائے یا شہادت کی موت نصیب ہو جائے۔

15۔ آخرت پر ایمان کے بعد اگرچہ آدمی اپنی ہر کوشش نتائج سے بے نیاز ہو کر سرانجام دیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے انہوں نے اپنی امت کے "اٰخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ" کے لئے ہمت بندھانے کے لئے ایسی خبریں دی ہیں جن کی رو سے دورِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کے بعد دور خلافت ہوگا پھر ظالمانہ بادشاہتوں کا سلسلہ چلے گا تا آنکہ مسلمانوں

پر غیروں کی غلامی مسلط ہو جائے گی۔ اس کے بعد اسلام کے غلبہ کا دور آئے گا اور اب غلبہ کسی علاقے سے آغاز ہو کر بالآخر عالمگیر ہو جائے گا۔

اب گزشتہ نصف صدی سے غلامی کا دور آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے اور اب تمام دنیا میں مسلمانوں میں بیداری اور اسلام کے عالمی غلبہ کی خواہش زور پکڑ رہی ہے اور سب سے بڑھ کر علمی اور فکری کام برِعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کا ہے جس کے نتیجے میں پاکستان اسلام کے نام پر بنا اور آہستہ آہستہ ڈگمگاتی اور ہچکولے کھاتی کشتی کی طرح یہ ملک منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

اسی سرزمین میں یہ تنظیم علامہ اقبال کی شاعری کی صدائے بازگشت اور ابوالکلام کی دعوت قرآنی کا مصداق، سید ابوالاعلیٰ مودودی کی بنیادی دعوتی سرگرمیوں اور فکر کی نقیب، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی امین بن کر سرگرم عمل ہے۔

زمانہ ماضی کی چار صد سالہ تجدیدی مساعی اور ماضی قریب کی مجددانہ فعالیت اور مسلمانانِ پاک و ہند و بنگلہ دیش کی قربانیوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے قومی امید ہے کہ خیر القرون کے بعد اسلام کے گہوارے میں آنے والا "اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ" کا یہ خطہ جو جغرافیائی نقشہ میں عین "ملتزم" کے سامنے ہے (بیت اللہ کا وہ حصہ جو حجر اسود والے کونے سے لے کر دروازے کے آگے حطیم والے کونے رکن عراقی تک ہے ملتزم کہلاتا ہے یہاں بیت اللہ کی زیارت کرنے والے چمٹ چمٹ کر دعائیں کرتے ہیں دعاؤں کی قبولیت کی جگہ ہے ہم پاکستان سے جب سجدہ کرتے ہیں تو ہمارا رخ ملتزم والی دیوار پر عین دروازے کے سامنے ہوتا ہے ع این سعادت بزور بازو نیست یہ سراسر اللہ کا احسان ہے اور ہمارے لئے آگے بڑھنے کے لئے جذبے کو بھڑکانے والی چیز)۔ شاید عالمی خلافت کا نقطہ آغاز ثابت ہو جائے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو، مگر اس کے لئے اس کے شایان شان محنت و عزیمت اور استقلال کی ضرورت ہے جس کی پکار لگائی ہے ایک تہائی صدی تک ایک داعی قرآن، مقری قرآن اور مفسر منہج انقلاب نبوی علی صاحبہا الصلوۃ السلام یعنی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اور 2002ء سے امیر تنظیم اسلامی پاکستان حافظ عاکف سعید صاحب انقلابی دعوت کے اس "صور" کو پھونک رہے ہیں۔ الاھل من مستمع؟ والاھل من مجیب؟

صحیح نظامِ تعلیم اور پاکستان

ڈاکٹر رفیع الدین

تعلیم صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی، صحیح تعلیم صحیح قسم کا فرد پیدا کرتی ہے اور غلط تعلیم غلط قسم کا فرد؛ اور تعلیم کا مقصد اس کو صحیح یا غلط کرتا ہے۔ فرض کریں کہ ایک ڈاکو چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا ایک کامیاب اور ہوشیار ڈاکو بن جائے اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے بیٹے کو قفل اور سیف توڑنے اور پگھلانے، بندوق چلانے، وقت پر بھاگنے اور چھپنے اور پولیس کی گرفت سے
محفوظ رہنے اور نکل آنے کی پوری پوری نظری اور عملی تعلیم دے۔ جب وہ ان طور طریقوں کا ماہر ہو جائے گا تو وہ اپنے باپ کے نزدیک تعلیم یافتہ کہلانے کا حقدار ہوگا۔ لیکن ہمارے خیال کے مطابق اس کی تعلیم صحیح نہیں ہو گی بلکہ غلط ہو گی، وہ ایجوکیشن (EDUCATION) نہیں بلکہ مس ایجوکیشن (MISCEDUCATION) ہوگی' کیونکہ ہمارے نزدیک اس کی تعلیم کا مقصد غلط ہے۔

کوئی نظام تعلیم مقصد کے بغیر نہیں ہوتا' خواہ اس کا مقصد آشکار ہو یا مخفی' مذکور ہو یا غیر مذکور' شعور میں ہو یا لاشعور میں' موضوع کلام بن چکا ہو یا معہودِ ذہنی رکھا گیا ہو۔ اور یہ مقصد تعلیم وہی ہوتا ہے جو نظام تعلیم قائم کرنے والے کے نزدیک خود زندگی کا مقصد ہوتا ہے، زندگی کا جو مقصد بھی معلم کے ذہن میں ہوتا ہے خواہ وہ اس کا ذکر کرے یا نہ کرے' وہ اس کے برپا کئے ہوئے نظام تعلیم کے ہر جزو پر حاوی ہو جاتا ہے، خواہ وہ جزو نصابی کتاب ہو یا معلم کا لیکچر یا درس یا مکتب کا عام ماحول۔ جس طرح کوئی نقش اس کاغذ یا کپڑے سے الگ نہیں ہوسکتا جس پر وہ بنایا گیا ہو اسی

طرح کوئی نظام تعلیم اس مقصد حیات سے الگ نہیں ہوسکتا جس پر وہ قائم ہو' خواہ اس مقصد حیات کا ذکر نظام تعلیم کے اندر موجود ہو یا نہ ہو۔

چونکہ حضرت انسان نے مقصد زندگی کے مختلف نظریات قائم کیے ہوئے ہیں' لہٰذا اس کے نظام ہائے تعلیم بھی مختلف ہیں۔ دنیا میں اتنے ہی نظام ہائے تعلیم ہیں جتنے مقاصد حیات یا نظریات زندگی۔ ہر ریاست کسی نظریۂ زندگی پر قائم ہوتی ہے، لہٰذا ہر ریاست کا اپنا الگ نظام تعلیم ہوتا ہے جس کا مقصد وہی ہوتا ہے جو ریاست کا مقصدِ زندگی ہو۔ حکمائے تعلیم نے اس حقیقت کا اعتراف حال ہی میں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب فلسفہ تعلیم کا ایک نیا شعبہ وجود میں آیا ہے' جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے مختلف نظام ہائے تعلیم کا تقابلی مطالعہ کیا جائے اور ہر ایک کی خصوصیتیں معلوم کی جائیں۔ اس شعبۂ علم کو تقابلی تعلیم (COMPARATIVE EDUCATION) کا نام دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ تعلیم کا ہر مقصد جو انسان کے ذہن میں آئے صحیح نہیں ہوسکتا۔ صحیح مقصد تعلیم جو صحیح نظام تعلیم کو پیدا کرنے والا ہو' صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور ضروری ہے کہ اس مقصد تعلیم اور نظام تعلیم کے علاوہ باقی تمام مقاصد تعلیم اور نظام ہائے تعلیم کم وبیش غلط اور بے ہودہ اور بے کار ہوں۔ جس نسبت سے کسی نظام تعلیم کا مقصد صحیح مقصد تعلیم سے ہٹا ہوا ہوگا اسی نسبت سے وہ نظام تعلیم غلط تعلیم یا مس ایجوکیشن (MISCEDUCATION) کا باعث ہوگا اور غلط قسم کے افراد پیدا کرے گا۔ اگر اس کا مقصد مکمل طور پر صحیح ہوگا تو وہ نظام تعلیم مکمل طور پر صحیح ہوگا اور صحیح قسم کے افراد پیدا کرے گا۔ افسوس ہے کہ مغرب کے حکمائے تعلیم مختلف قسم کے نظام ہائے تعلیم کے مقاصد اور ان کی خصوصیات کا جائزہ لینے کے باوجود اس بات پر کوئی تحقیقی کام نہیں کر سکے کہ صحیح مقصد تعلیم' جو صحیح قسم کے نظام تعلیم کو پیدا کرتا ہو' کیا ہے اور کس طرح جانچا یا پرکھا جاسکتا ہے کہ واقعی صحیح ہے اور اس کا علمی اور عقلی محک ومعیار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تحقیقی کام ایسے حقائق کو سامنے لاتا ہے جو ان کے لادینی نقطۂ نظر کے منافی ہیں اور جن کا سامنا کرنے سے ان کو اس لئے بھی گریز ہے کہ وہ یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ تحقیق کرنے والے کا خود اپنا قومی نظام تعلیم غلط مقصدِ تعلیم اور غلط مقصدِ حیات پر مبنی ہے اور لہٰذا غلط ہے۔ یہ بات کہنے کے بعد تحقیق کرنے والا اپنی قوم کا

پسندیدہ اور ہر دلعزیز فرد نہیں رہ سکتا۔ اوپر کی مثال میں ڈاکو خود کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس کی تعلیم غلط ہے' بلکہ وہ اس کی صحت اور معقولیت اور ضرورت کے حق میں دلائل مہیا کرے گا۔ تاہم جو معلم افراد کی صحیح تعلیم کا اہتمام کرنا چاہتا ہے اس کے لئے حد درجہ ضروری ہے کہ وہ اپنا کام شروع کرنے سے پہلے یہ دریافت کرے کہ صحیح مقصد تعلیم کیا ہے۔

آج تمام حکمائے تعلیم اپنے مشاہدات اور تجربات کی بنا پر اس حقیقت پر متفق ہیں کہ تعلیم انسان کی اندرونی اور قدرتی نشوونما کا ایک عمل ہے جو خود بخود اپنے مراحل طے کرتا جاتا ہے بشرطیکہ گردوپیش کے حالات اس نشوونما کے ممدومعاون ہوں' مزاحم اور مخالف نہ ہوں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک حیوان یا پودے کی نشوونما، جب ایک پودا یا حیوان نشوونما پاتا ہے تو کوئی چیز باہر سے اس پر تھوپی نہیں جاتی بلکہ جو صلاحیتیں اس کے اندر بالقوۃ موجود ہوتی ہیں وہی نشوونما پانے سے بالفعل آشکار اور نمودار ہوتی چلی جاتی ہیں' بشرطیکہ بیرونی حالات مثلاً ہوا، پانی، روشنی اور خوراک اس پودے یا حیوان کی نشوونما کے لئے سازگار ہوں۔ یہی وجہ ہے کے تمام ماہرین تعلیم اس بات پر متفق ہیں کہ صحیح طریق تعلیم یہ ہے کہ بچے کی اندرونی قدرتی نشوونما کے عمل میں کوئی مداخلت نہ کی جائے اور اس کو خود اپنی راہ پانے کے لئے آزاد رہنے دیا جائے۔ معلم کا کام صرف اتنا ہو کہ وہ بچے کے اردگرد ایسے حالات پیدا کر دے جو اس کی نشوونما کے اندرونی مخفی تقاضوں سے پوری پوری موافقت رکھتے ہوں اور ایسے حالات کو بچے کے ماحول سے باز رکھے جو ان تقاضوں کے منافی ہوں۔

عمل تعلیم کی اس بنیادی' عظیم الشان اور مسلمہ حقیقت سے کئی قیمتی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ مثلاً اس سے <u>ایک نتیجہ</u> تو یہ نکلتا ہے کہ انسان کے پاس اس کے جسم کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ایسی ہے جو نشوونما پا سکتی ہے اور پاتی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ تعلیم جسم کی نشوونما کا نام نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ناتعلیم یافتہ آدمی کا جسم پوری طرح سے نشوونما پایا ہوا ہو اور ایک عمدہ اور اعلیٰ تعلیم کے آدمی کا جسم نحیف ونزار ہو۔ اگر انسان کا جسم ہوا، پانی، روشنی اور غذا سے نشوونما پاتا ہے تو نشوونما پانے والی یہ دوسری چیز تعلیم سے نشوونما پاتی ہے۔ لہٰذا ماہر تعلیم کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وجود انسانی کے اندر یہ دوسری چیز جس کی نشوونما کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے کون سی ہے اور کیسی ہے،

اس کے اوصاف وخواص کیا ہیں، اس کے تقاضے کیا ہیں، اس کی ضرورتیں کیا ہیں، کونسی چیزیں اس کی نشو ونما کے لئے ممد ومعاون ہیں اور کونسی مضر اور مخالف ۔ جب تک ماہر تعلیم اس چیز کی ضروریات کو نہ جانے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ تعلیم سے بالیدگی اور نشو ونما پانے والی یہ دوسری چیز وہی ہے' جسے فلسفہ کی اصطلاح میں شخصیت اور مذہب کی اصطلاح میں روح کہا جاتا ہے۔

شیخِ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روحِ انسانی

دوسرا نتیجہ اس عظیم الشان عملی حقیقت سے یہ نکلتا ہے کہ جس طرح آم کی ایک گٹھلی کی نشو ونما کا یہ صحیح مقصد' کہ اسے نشو ونما پا کر ایک خاص قسم کا درخت بننا چاہئے جس کی چھال، پھل، پھول، پتے اور ٹہنیاں خاص قسم کی ہوں' گٹھلی کی فطرت کے اندر ہی پوشیدہ ہے۔ اسی طرح سے شخصیت انسانی کی نشو ونما کا صحیح مقصد جو اس کی صحیح اور کامل نشو ونما کا ضامن ہے اس کی فطرت کے اندر ہی پوشیدہ ہے اور ہم (جیسا کہ ڈیوی اور اس کے ہم خیال مغربی حکمائے تعلیم نے غلطی سے سمجھا ہے) اسے انسان کے خارجی حالات وواقعات اور بیرونی ضروریات میں تلاش نہیں کر سکتے۔ ان حالات وواقعات اور ضروریات کے خلاف انسان کا صحیح ردعمل وہی ہونا چاہئے جو انسانی شخصیت کے صحیح اندرونی فطرتی مقصد تعلیم کے مطابق نشو ونما پائی ہوئی ایک انسانی شخصیت سے سرزد ہوتا ہے۔ اگر انسانی شخصیت کی نشو ونما اس کی اندرونی فطری مقصدِ تعلیم کے مطابق ہوئی ہو تو انسانی شخصیت آزادانہ اور مکمل طور پر نشو ونما پاتی ہے اور نشو ونما پا کر خود بخود نظریاتی، علمیاتی، اخلاقیاتی اور جمالیاتی خصوصیتوں کے ایسے پھل پھول، پتے اور ٹہنیاں پیدا کر لیتی ہے جو خالصتاً انسانی قسم کے ہوں اور مقام انسانی کے شایان شان ہوں۔

تیسرا نتیجہ اس حقیقت سے یہ نکلتا ہے کہ روح انسانی یا شخصیت انسانی کو اپنی نشو ونما کے لئے کسی غذا کی ضرورت ہے' کیونکہ نشو ونما بغیر غذا کے تصور میں نہیں آسکتی۔ وہ غذا کونسی ہے جو روح کی پرورش یا دوسرے لفظوں میں انسان کی تعلیمی نشو ونما کا باعث ہوتی ہے۔ اس سوال کا معقول جواب جس کی طرف صحیح علمی وعقلی استدلال راہنمائی کرتا ہے یہ ہے کہ روح کی غذا ''حُسن'' ہے۔

جس طرح جسم کو غذا کی اشتہا ہوتی ہے اسی طرح روح کو حسن کی اشتہا ہوتی ہے اور جس طرح جسم غذا سے لذت اندوز ہوتا ہے اور تازگی اور شگفتگی حاصل کرتا ہے اسی طرح روح حسن سے لذت اندوز ہوتی، اطمینان پاتی اور سرور حاصل کرتی ہے۔

پھر جس طرح جسم کے اندر غذا کو جذب کرنے اور جذب کر کے قوی اور توانا ہونے کی صلاحیت ہے اسی طرح روح انسانی میں حسن کو جذب کرنے اور جذب کر کے اخلاقی، علمی، روحانی اور جمالیاتی طور پر قوی اور توانا ہونے کی صلاحیت ہے۔ جس طرح جسم کی اشتہا کو مطمئن کرنے کے لیے انسان ایسی خوراک کی جستجو کرتا ہے جو پاک اور صاف اور لذیذ اور صحت بخش ہو اور جس کے اندر پروٹین اور حیاتین اور فلزات کے تمام ضروری عناصر موجود ہوں اسی طرح حسن کی اشتہا کو مطمئن کرنے کے لئے انسان ایک ایسے تصور کی جستجو کرتا ہے جو نہایت ہی حسین اور جمیل ہو، جس سے زیادہ حسین اور جمیل تصور اور کوئی نہ ہو، جو ہر نقص اور کمی سے مبرّا ہو اور جس کے اندر بلا استثنا تمام صفاتِ حسن و کمال بدرجۂ اَتم موجود ہوں، صرف ایسا تصور ہی انسان کی اشتہائے حسن کو پوری طرح سے مطمئن کر سکتا ہے۔ لفظ خدا کی تعریف ہی سے ظاہر ہے کہ ایسا تصور سوائے خدا کے تصور کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو ذات تمام نقائص سے مبرا اور تمام صفات حسن و کمال سے متصف ہو اسی کو خدا کہا جاتا ہے، لہٰذا انسان فطرتاً خدا اور اس کی صفات حسن کی اشتہا یا آرزو رکھتا ہے اور اس آرزو کو مطمئن کرنے اور حسن کو اپنی شخصیت کے اندر جذب کرنے کے لئے حسن کی ستائش کرتا ہے اور اس غرض کے لئے ہر مفید اور کارآمد طریق، جس کی رہنمائی پاتا ہے، اختیار کرتا ہے۔ مثلاً خدا کی صفاتِ حسن پر توجہ مرکوز کر کے حسن کے باطنی مشاہدہ سے لذت اندوز ہونے کے لئے ان الفاظ کو بار بار دہراتا ہے جو ان صفات پر دلالت کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ اور حسن سے انتہائی قرب حاصل کرنے اور ہر ایسی خواہش سے چھٹکارا پانے کے لئے جو اس قرب میں حائل ہونے والی ہو وہ قیام اور رکوع اور سجود اور قعود کے ذریعہ سے حسن کے سامنے عاجزی اور انکساری اور تضرع اور ابتہال اور گریہ زاری کرتا ہے۔ آرزوئے حسن کو مطمئن کرنے کا یہ طریق جس کی ایک صورت نماز بھی ہے ذکر کہلاتا ہے۔ پھر وہ علمی صداقتوں اور حقیقتوں میں خدا کی صفت ِحق کی جھلک دیکھ کر ان کی جستجو کے درپے ہوتا ہے، طلب حسن کے اس طریق کو جستجوئے صداقت یا

جستجوئے علم کا نام دیا جاتا ہے ۔ پھر وہ خدا کی تخلیق میں خدا کی صفات حسن کے نشانات کی جستجو کرنے کے لئے مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتا ہے، آرزوئے حسن کو مطمئن کرنے کا یہ طریق، جسے تفکر یا زیادہ تفصیل کے ساتھ "تـفـكُّر فی الخَلق" کہا جاتا ہے، طلب حسن ہی کا ایک پہلو ہے، جس کی بدولت مسلمانوں نے سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی۔ پھر وہ اپنے ان اعمال وافعال میں جو اپنے آپ کے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ اس کے برتاؤ سے تعلق رکھتے ہیں باطنی اور معنوی حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے یعنی ان کو بمصداق "تَـخَـلَّـقُـوْا بِاَخْلاَقِ اللّٰه" خدا کی صفات حسن کے مطابق کرنے کی کوشش کرتا ہے، آرزوئے حسن کو مطمئن کرنے کے اس طریق کو حسن اخلاق یا نیکی کی جستجو کا نام دیا جاتا ہے۔ پھر وہ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، اوڑھنے پہننے، رہنے سہنے، کھانے پینے، بات چیت کرنے، کھیلنے، سفر کرنے اور دوسرں سے میل ملاقات کرنے اور ان کے علاوہ اپنے دوسرے کاموں کے طور طریقوں میں ظاہری حسن اور صفائی اور عمدگی اور زیبائی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے بحکم "اَلـلّٰـهُ جَـمِيْلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ"، آرزوئے حسن کی تشفی کے اس طریق کو جس کا مقصد ماحول زندگی میں تخلیق حسن ہے جمالیاتی فعلیت (AESTHETIC ACTIVITY) کہا جاتا ہے۔ حسن کی آرزو کو مطمئن کرنے کے یہ چاروں طریقے، یعنی عبادت یا ستائش حسن، تحصیل علم یا جستجوئے حسن، نیکی یا حسن خلق اور جمالیاتی عمل یا حسن ذوق، شخصیتِ انسانی کی تکمیل اور تجمیل کا یا دوسرے لفظوں میں اس کی بالیدگی اور نشو ونما کا موجب ہوتے ہیں۔

چوتھا نتیجہ . اس حقیقت سے یہ نکلتا ہے کہ چونکہ تعلیم ایک اندرونی اور قدرتی عمل ہے لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ قدرت نے اس کو کلیۃً انسان پر چھوڑ دیا ہو بلکہ ضروری ہے کہ اس نے اس کے بنیادی لوازمات کا اہتمام خود کیا ہو۔ قدرت کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر ضرورت کا بنیادی اور ضروری اہتمام خود کرتی ہے اور پھر یہ اہتمام اس قسم کا ہوتا ہے کہ اس کو نظر انداز کر کے یا اس سے پہلوتہی کر کے اس ضرورت کو بتمام وکمال پورا کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک حیوان کی بدنی نشو ونما ایک قدرتی عمل ہے، قدرت اس کا بنیادی اہتمام دو طرح سے کرتی ہے: ایک تو یہ کہ اس نے حیوان کے جسم کے اندر غذا جذب کرنے اور غذا کو جذب کر کے نشو ونما پانے کی اندرونی صلاحیتیں پیدا کر

دی ہیں اور دوسرے یہ کہ اس نے حیوان کے جسم کے باہر ہوا اور غذا اور پانی اور روشنی ایسی چیزیں مہیا کی ہیں جن کے بغیر اس کی یہ اندرونی صلاحیتیں بے کار ہوتیں، کیونکہ ان کا مہیا کرنا حیوان کے بس کی بات نہ تھی۔ بالکل اسی طرح سے روح انسانی کی نشو ونما ایک قدرتی عمل ہے اور قدرت نے اس نشو ونما کا بنیادی اہتمام دو طرح کیا ہے: ایک تو یہ کہ اس نے شخصیتِ انسانی سے باہر پے در پے آنے والے معلّموں کا ایک سلسلہ پیدا کیا ہے جن کو انبیاء (علیہم السلام) کہا جاتا ہے اور پھر اس سلسلہ کو اس نے ایک معلّمِ کامل (ﷺ) پر ختم کیا ہے جو نہ صرف اپنی زبانی تلقین اور ہدایت سے بلکہ اپنی عملی زندگی کے نمونہ سے بھی انبیاء کی تعلیم کو کمال پر پہنچاتے ہیں۔ خاتم النبیّین کے ظہور کے بغیر نہ تو خدا کا تصور ہی ان غلطیوں اور شرک کی آلائشوں سے پاک وصاف ہو سکتا تھا جو اس میں داخل ہو گئی تھیں اور نہ ہی خدا کے پاک اور صاف عقیدہ کے مطابق عملی زندگی بسر کرنے کا کوئی ایسا نمونہ ہی سامنے آ سکتا تھا جس میں خدا کا پاک وصاف عقیدہ انسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر چسپاں کیا ہوا نظر آتا۔ نظری اور عملی طور پر خدا کے عقیدہ کے معنی کیا ہیں۔ اس سوال کا مکمل جواب ہمیں صرف خاتم النبیّین ﷺ کی تعلیمات ہی سے مل سکتا ہے۔

مختصر طور پر صحیح تعلیم کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کا ہر عنصر خدا کے عقیدہ پر مبنی ہو۔ خدا کا عقیدہ ہی اس کے عملی، اخلاقی، ستائشی اور جمالیاتی پہلوؤں کی بنیاد ہو۔ تعلیم کا جو پہلو بھی خدا کے عقیدہ کے بغیر رہے گا وہ روحِ انسانی کے لئے جذبِ حسن کا اہتمام نہیں کر سکے گا اور لہٰذا فرد کی تعلیمی نشو ونما کے لئے بے کار ہوگا۔ چونکہ سارے حسن کا منبع خدا ہے اور علم اور اخلاق اور عبادت اور جمالیاتی عمل کا مقصد حسن کی جستجو ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ انسان کی علمی، اخلاقی، جمالیاتی اور ستائشی فعلیت اپنے مقصد کو اس وقت پائے گی اور اپنے کمال کو اس وقت پہنچے گی جب اس کا مطلوب اور مقصود اور اس کا مدار اور محور خدا ہوگا۔ ہمارے علمی، اخلاقی، ستائشی اور جمالیاتی اعمال جس قدر خدا کے تصور سے ہٹے ہوئے ہوں گے وہ اسی قدر غلط اور ناقص ہوں گے یہی وجہ ہے کہ معلّمِ کامل ﷺ کی تعلیمات میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہمارے تمام ستائشی، اخلاقی، علمی اور جمالیاتی اعمال وافعال کا مقصود خدا ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے عقیدہ سے ہٹ کر اگر کوئی تعلیم ممکن ہے تو وہ کم وبیش ایسی ہو سکتی ہے جیسی کہ اوپر کی مثال میں راہزن کے بیٹے کی تعلیم۔ فرق صرف اتنا

ہی ہے کہ بے خدا تعلیم کی بعض قسمیں بڑے آشکار راہزن پیدا کرتی ہیں اور بعض قسمیں چھوٹے اور مخفی راہزن۔

جسم کی اشتہائے غذا کی طرح روح کی اشتہائے حسن بھی پوری طرح سے دبائی نہیں جاسکتی۔اگر انسان کو اچھی،لذیذ اور صحت بخش غذا نہ مل سکے تو پھر جو غذا بھی اسے مل جائے وہ اسی سے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور اسی میں لذت محسوس کرتا ہے خواہ اس کی صحت ٹھیک رہے یا نہ رہے۔اسی طرح سے جب انسان اپنی لاعلمی یا اپنے تعصب کی وجہ سے خدا کے تصور سے پوری طرح آشنا نہ ہو اور خدا کی صفات کے حسن و کمال کا ذاتی احساس نہ کر سکے تو وہ اپنی اشتہائے حسن کی تشفی کے لئے کسی غلط اور ناقص تصور کی طرف لاشعوری طور پر خدا کی صفاتِ حسن کو منسوب کرنے لگتا ہے، اور اسی کو اپنی مشتاقِ جمال فطرت سے مجبور ہو کر اس طرح سے چاہنے لگتا ہے کہ گویا وہ سچ مچ کا خدا ہے جب یہ صورت حال پیدا ہو جاتی ہے تو وہ پھر تمام علمی یا سائنسی حقائق جو اس کے دائرہ علم میں داخل ہوتے ہیں اور اس کی تمام قدرتی، اخلاقی، جمالیاتی اور ستائشی اعمال و افعال جو اس سے سرزد ہوتے ہیں اس کے اس تصورِ حسن میں ڈوب کر اور اس کے رنگ سے رنگین ہو کر باہر آتے ہیں۔ اور اس عمل کے دوران میں اپنی قدرتی حالت سے بدل کر اس کے مطابق ہو جاتے ہیں اور لہٰذا اتنے ہی غلط اور ناقص ہو جاتے ہیں جتنا کہ اس کا یہ تصور حسن غلط یا ناقص ہوتا ہے۔اس کے علمی حقائق اس کے تصور حسن کے ساتھ مل کر ایک تنظیم بناتے ہیں اور اس کے اردگرد جمع ہو کر اس طرح موجود رہتے ہیں جیسے کہ مقناطیس کے اردگرد لوہ چون کے اجزاء۔

دور حاضر کے غلط اور ناقص تصوراتِ حسن جو اس طرح سے خدا کی جگہ لیتے ہیں حسب ذیل ہیں: انگریزی قومیت، فرانسیسی قومیت، اطالوی قومیت، جرمن نسلیّت، یہودی نسلیّت، عربی نسلیّت، روسی اشتراکیت، امریکی جمہوریت وغیرہ۔ یہی آج کل قوموں کے مقاصد حیات ہیں اور یہی ان کے مقاصد تعلیم۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اصل مقصد حیات اور مقصد تعلیم جو انسان کی فطرت سے پیدا ہوتا ہے' کہیں بھی نہیں۔اس وقت عالم انسانی میں کوئی بھی نظام تعلیم ایسا نہیں جو تعلیم کو ایک اندرونی نشو و نما کے عمل کی حیثیت سے اپنا صحیح اور قدرتی راستہ اختیار کرنے کے لئے آزاد چھوڑتا ہو' بلکہ جس طرح سے آم کا نوخیز پودا ایک طرف دباؤ پڑنے سے اگنے کے باوجود ٹیڑھا

ہوتا جاتا ہے' یہاں تک کہ جھک کر زمین سے لگ جاتا ہے' اسی طرح سے اس وقت دنیا کے ہر نظام تعلیم کے اندر کسی نہ کسی غلط اور ناقص مقصد حیات اور مقصد تعلیم کا دباؤ نوخیز لڑکوں اور لڑکیوں کی شخصیتوں کو ٹیڑھا کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ اب ٹیڑھی اور غیر قدرتی نشوونما پانے والی شخصیتوں نے عالم انسانی کو بھر دیا ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ لاکھوں افراد ذہنی بیماریوں کا شکار ہو کر دنیا کے دماغی ہسپتالوں کو بھر رہے ہیں، کوئی تعجب نہیں کہ طفولیتی بے راہ روی (DELIQUENCY) کی حدود ہر روز پھیلتی جارہی ہیں، کوئی تعجب نہیں کہ خودکشیوں، ڈکیتیوں، قتلوں اور دوسرے جرموں کے اعداد و شمار بڑھتے جارہے ہیں اور کوئی تعجب نہیں کہ امریکہ کی مخلوط یونیورسٹیوں میں آزادانہ جنسی میل جول کی شرمناک تحریکیں ارباب اختیار کی چشم پوشی سے ہی نہیں بلکہ سرپرستی میں کھلم کھلا منظّم کی جارہی ہیں، کوئی تعجب نہیں کہ اس وقت عالم انسانی ہر لحہ ایک عالمگیر جنگ کی تباہ کاریوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہے، کوئی تعجب نہیں کہ اقتصادی خوشحالی کے باوجود مہذب اور ترقی یافتہ لوگوں کے دل بے قرار اور زندگی سے بے زار ہیں۔ اس وقت نوع انسانی کی سب سے بڑی بدبختی ایٹم بموں اور میزائلوں کے جابجا پھیلے ہوئے انبار نہیں بلکہ غلط اور بے خدا تعلیم کی عالمگیری ہے جس سے انسان کی اور تمام بدبختیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

افسوس ہے کہ اس وقت ہمارا پاکستانی نظام تعلیم بھی' جس کو ہم نے اسلامیات کا ایک مضمون شامل کر کے صحیح بنانے کی کوشش کی ہے' مغرب کے بے خدا اور غلط نظام ہائے تعلیم کی ایک بھونڈی نقل ہے۔ اسلامیات کا مضمون شامل کرنے سے اس کے اساسی لادینی مقصد حیات اور مقصد تعلیم میں کوئی فرق نہیں آتا البتہ پاکستانی طالب علم کے ذہن میں یہ بات اور واضح ہوگئی ہے کہ یونیورسٹی کے اصل علوم کے ساتھ جو پورے نصاب کا پچانوے فیصد حصہ ہیں' اسلام یا اسلامیات کا کوئی تعلق نہیں گویا اس وقت پاکستانی نظام تعلیم دو نظریات تعلیم کے زیر اثر ہے ایک صحیح اور باخدا نظریۂ تعلیم جو اسلامیات کے مضمون کی حد تک کام کرتا ہے اور دوسرا غلط اور لادینی نظریۂ تعلیم جو باقی ماندہ پورے نظام تعلیم پر چھایا ہوا ہے لیکن حق و باطل کا امتزاج باطل ہی بن جاتا ہے، اسی لئے فرمایا گیا لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ اقبال نے اسی آیت کا ایک شعر میں ترجمہ کیا ہے

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے

شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

بڑی مدت کے بعد اہل مکہ نے یہ بات سمجھی کہ حضور ﷺ خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ بتوں کی عبادت گوارا کیوں نہیں کر سکتے۔ حق و باطل اور نور و ظلمت بہم نہیں ہو سکتے۔

اگر نوع انسانی نے زندہ رہنا ہے اور پھر اگر اس نے امن و اتحاد کی نعمتوں سے ہمکنار ہونا ہے' اگر اس نے اپنی علمی، اخلاقی، جمالیاتی، روحانی اور مادی ترقیوں کی اس انتہا تک پہنچنا ہے جو اس کی فطرت کی صلاحیتوں کے اندر اس کے لئے مقدر ہو چکی ہے تو اس بے خدا اور غلط تعلیم کا طلسم ٹوٹنا چاہیے۔ لیکن مغرب جو اس طلسم کا خالق ہے اس کو توڑ نہیں سکتا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کے حکمائے تعلیم خدا کے عقیدہ کے خلاف ایک شدید قسم کے علمی تعصب میں مبتلا ہیں۔ اسی تعصب کی وجہ سے وہ خدا کے عقیدہ کو دنیوی اور عقلی علوم کے منافی سمجھتے ہیں اور ان کا یہ دستور بن گیا ہے کہ جب بھی ان کا علمی یا عقلی استدلال خود بخود اور بے ساختہ خدا کے تصور کی طرف جانے لگتا ہے وہ بتکلّف اس کو گھما پھرا کر واپس لاتے ہیں' خواہ اس کا استدلال مضحکہ خیز کیوں نہ بن جائے۔ اسی تعصب کی وجہ سے مغرب کے حکمائے تعلیم اپنی ہی دریافت کی ہوئی اس عظیم الشان علمی حقیقت سے کہ تعلیم قدرتی نشو و نما کا ایک عمل ہے' اوپر بیان کیے ہوئے نتائج کو جو ظاہر اور باہر ہیں' اخذ کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مغرب کا ہر فلسفۂ تعلیم پراگندہ خیالات کا ایک مجموعہ اور علمی اور عقلی اور منطقی استدلال کی سنگین غلطیوں کا ایک سلسلہ ہے۔

پاکستانی نظام تعلیم کی موجودہ حالت کے باوجود اگر یہ طلسم کسی خطۂ ارض میں ٹوٹ سکتا ہے تو وہ پاکستان ہے' کیونکہ فقط پاکستانی قوم ہی کا نظریۂ حیات یعنی اسلام وہ روشنی بخشتا ہے جو اس بے خدا تعلیم کی علمی خامیوں اور عملی تباہ کاریوں کو آشکار کر سکتی ہے اور صحیح با خدا محافظ و معاونِ انسانیت نظام تعلیم کو وجود میں لا سکتی ہے۔ مسلمان ممالک اور بھی ہیں لیکن اس دور میں صرف پاکستانی قوم ہی ایک ایسی قوم ہے جس نے بے شمار قربانیاں دے کر فقط اس لئے آزادی حاصل کی ہے کہ وہ اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ کائنات کی آخری منزل کی طرف حرکتِ ارتقاء کا ایک ضروری قدم ہے جس کا وقت پہنچ گیا تھا۔ قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے کہ خدا کا قانون ہے کہ جب باطل قوت پکڑتا ہے تو ہم حق کو اس کے مقابل پر کھڑا

کر دیتے ہیں کہ اس کا سر کچل دے اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے! بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔

اب بتایئے کہ کیا ابتدائے تاریخ سے لے کر آج تک باطل کبھی اتنا طاقتور ہوا تھا جتنا کہ آج ہے، لادینیت پسندوں اور دہریت پرستوں کی بڑی بڑی سلطنتوں سے پوری دنیا بھری ہوئی ہے، جن کی اقتصادی اور فوجی قوت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اگر خدا کا قانون سچا ہے تو اور کونسا وقت ہے جب حق باطل کے مقابل پر آنے کے لئے ابھرے گا۔ یقیناً پاکستان کا قیام باطل کے مقابل میں حق کا پہلا ظہور ہے، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ جنگ (ستمبر 1965ء) میں پانچ گنا طاقت سے حملہ کرنے والا دشمن اپنی پوری کوششوں کے باوجود پاکستان کی اتنی لمبی سرحد پر کہیں بھی پاکستان کی ڈیفنس لائن میں دراڑ پیدا نہیں کر سکا۔ واقعات بتا رہے ہیں کہ پاکستان اس لئے وجود میں آیا ہے کہ صحیح باخدا نظام تعلیم یہاں سے ابھرے اور غلط اور بے خدا تعلیم کو ہر جگہ سے ملیا میٹ کرتا ہوا دنیا بھر میں پھیل جائے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ظہور دور حاضر کی تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے، لیکن دور حاضر کی تاریخ کا اس سے بھی بڑا واقعہ ہوگا کہ پاکستان کے اندر جدید اسلامی یونیورسٹی کی صورت میں صحیح اور باخدا نظام تعلیم کا ایک نمونہ یا ماڈل ظہور پذیر ہو جو اپنی معقولیت اور افادیت کی وجہ سے پہلے پورے پاکستان میں اور پھر پوری دنیا میں نقل کیا جائے جو لوگ اس ماڈل کی تخلیق اور تکمیل میں اعانت کریں گے ''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ'' کے مصداق خدا کی حیرت انگیز اعانت ان کے ساتھ ہوگی۔

اقتصادی وسائل اور تباہ کن آلات حرب وضرب سے دوسری قوموں پر غالب آنے کا دور گزر چکا ہے اب نظریات اور تصورات کا زمانہ ہے، اب وہی قوم دنیا میں غالب رہے گی جس کے پاس دلوں کو مسخر کرنے والے افکار و تصورات ہوں۔ تمام دوسری قوموں کے اقتصادی وسائل اور آلات حرب وضرب اسی قوم کے لئے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی کے کام آئیں گے۔ اس قسم کے تمام افکار و تصورات کا سرچشمہ توحید کا عقیدہ ہے اور جب سائنسی علوم یعنی طبیعیاتی، جمالیاتی اور انسانی علوم کو موحّد بنا لیا جائے اور خدا کے عقیدہ کو ان کی ابتدا اور انتہا قرار دے دیا جائے تو پھر یہ تمام افکار و تصورات اس سرچشمہ سے بہہ نکلتے ہیں اور ان کے اندر ایک ایسی تنظیم اور ہم آہنگی اور

معقولیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ منکرین توحید کے دلوں کو بھی متاثر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اقبال نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا جب اس نے کہا تھا۔

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ

تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے!

اگر مسلمان قوم کا یہ رول پاکستان کے ذریعہ سے اس طرح ادا ہونے والا ہے کہ پاکستان میں ہی صحیح اور باخدا نظام تعلیم کا وہ نمونہ پیدا ہو گا جو رفتہ رفتہ تمام دنیا میں اپنا لیا جائے گا تو آیئے آج سے ہم مل کر اس نمونہ کو پیدا کرنے کی کوشش کریں تا کہ اسلام کی آخری عالمگیر نشر و اشاعت کی ابتدا کرنے کی سعادت ہمارے حصہ میں آئے۔

(ماخوذ از ماہنامہ میثاق لاہور، ستمبر 1996ء)

علامہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

انجینئر مختار فاروقی

آپ 1551ء بمطابق 956ھ دہلی کے ایک معزز بزرگ اور صاحب علم شخص سیف الدین صاحب کے ہاں پیدا ہوئے، آپ کے والد نے اپنے ذوق کے مطابق آپ کی تربیت بھی انہیں بنیادوں کی، آپ علم کے بہت شائق تھے۔ آپ 996ھ میں حرمین تشریف لے گئے اور تحصیل علم کی تکمیل کی۔ تین چار سال کے قیام کے دوران آپ نے فن حدیث میں سند کا درجہ حاصل کیا اور تصانیف کیں۔ آپ کا وصال 1642ء بمطابق 1052ء میں ہوا۔

آپ نے زیادہ تر علمی کام کیا ہے اور علمی جہاد میں حصہ لیا ہے آپ نے طویل زندگی پائی سرزمین ہند میں علوم دینیہ یعنی قرآن وحدیث کی تعلیم میں حدیث کی باقاعدہ تعلیم وتدریس کا پودا آپ نے ہی لگایا اور نصف صدی تک اسے سیراب بھی کیا جس سے اس صنم خانۂ ہند میں باصلاحیت لوگوں میں قرآن وحدیث کے علوم کی طرف دلچسپی پیدا ہوئی۔ آپ کے ہزاروں شاگردوں نے بعد میں اس جذبہ کو پروان چڑھایا اور دینی علوم کی مستقل بنیادوں پر تعلیم وتدریس کا آغاز کیا۔

آپ نے مغلیہ خاندان میں اکبر بادشاہ جہانگیر بادشاہ اور شاہجہان بادشاہ کا زمانہ پایا۔ آپ کا اور شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا زمانہ ایک ہی ہے بلکہ وہ آپ کے 13 سال بعد 1564ء میں پیدا ہوئے اور 1624ء میں وفات پاگئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ کام کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

دونوں شخصیات کے مزاج اور ذوق میں فرق ہے حضرت مجدد الف ثانی نے وقت کے

مطلق العنان حکمران کوسامنے آ کر چیلنج کیا جب کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے پس منظر میں رہ کر یہ کام کیا۔شیخ مجدد نے مجاہدانہ انداز اختیار کیا اور جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے والا جہاد کیا تو شیخ محدث نے شاگردوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کردی کہ وہ اسی مجاہدانہ جذبے سے سرشار تھی۔شیخ مجدد نے وقت کے فرعون کوسامنے آ کر چیلنج کیا تو شیخ محدث نے عوامی رائے کو بیدار کر کے حکمران وقت کے خلاف اٹھایا۔شیخ مجدد نے الحاد اور روشن خیالی کے سیلاب کے آگے بند باندھ دیا تو شیخ محدث نے آئندہ آنے والی نسلوں میں بھی ایسی گمراہی کے خلاف شعور پیدا کرنے کا منصوبہ شروع کیا۔شیخ مجدد نے امت مسلمہ کو روشن خیالی ،اباحیت پرستی اور لا دینیت اس حادثاتی موت سے بچایا تو شیخ محدث نے جان بلب امت کوتوانا کرنے کی دوا کی شیخ مجدد نے دوحکمرانوں کوخلاف اسلام کاموں پرلگام دی تو شیخ محدث نے دومسلمان نسلوں میں دینی علم کی مہمیز لگادی،شیخ مجدد نے حکمرانوں اورمقتدرطبقات میں دین اسلام کی تبلیغ کی تو شیخ محدث نے علماءحق کا طبقہ پیدا کر کے عوامی سطح پراسلام کی حفاظت کی ۔شیخ مجدد نے احیائے سنت کا کام کیا تو شیخ محدث نے احیائے علم ِحدیث کا کام کیا،شیخ مجدد نے روحانی طاقت سے الحاد کا راستہ روکا تو شیخ محدث نے علمی سطح پر اس وارکوناکارہ بنادیا،شیخ مجددالله تعالی کی شان رحمٰن کے مظہر تھے تو شیخ محدث الله تعالی کی صفت رُحیم ' کا مصداق ،الغرض شیخ مجدد اللہ تعالیٰ کی جلالی شان کا پرتو تھے۔شیخ محدث اللہ تعالیٰ کی صفت جمال کا مظہر ——————— دین اسلام کی خدمت کے دورُخ تھےاور دونوں محاذوں پرکام وقت کی ضرورت بھی اوراسلام کی خدمت بھی ع ہرکسے راکارے ساختند

شیخ محدث نے سرزمین ہند میں علم حدیث کی ابتداءکی اور یوں دین کے علمی سرچشموں سے مسلمانان ہندکوروشناس کرایا۔

گذشتہ شمارے میں شیخ مجدد رحمہ اللہ کے حالات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے ۔ کہ ہندومت 1000 ء سے لے کر 1350 ءتک اپنے فکری نظریاتی اور سیاسی زوال کا شکار رہا۔مسلمان فاتحین آئے اور پہلے تو انہوں نے سیاسی طور پر ہندوؤں کوشکست سے دوچار کیا۔اس وجہ سے کہ ہندوستان بھرکےراجے مہاراجے ایسے اخلاقی زوال میں غرق تھے کہ جس سے انسانیت شرمسارتھی ۔بعدازاں علمی اور روحانی سطح پرمسلمان صوفیاء نے آ کر کام کیا تو مقامی ہندودھرم میں

مقابلے کی سکت نہیں تھی سیاسی طور پر پہلے شکست خوردہ تھے علمی اور مذہبی طور پر مسلمان صوفیاء کے آگے ڈھیر ہوتے چلے گئے ہندو مذہب کے اکابرین نے پس منظر میں جا کر جان بچائی۔

1206ء میں ہندوستان میں پہلی با قاعدہ علیحدہ مسلمان حکومت کا قیام ہے جس کے بعد اس کا ایک تسلسل ہے اس دوران صوفیائے کرام نے اسلام کی پاکیزہ سادہ فطری اور دلآویز تعلیمات کا ایسا پرچار کیا کہ صنم خانہ میں اسلام کی آغوش میں آنے والے "یدخلون فی دین الله افواجا" کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔

ہندومت کے رہنماؤں اور اکابرین نے اس وقت اسلام کی سیاسی و عسکری اور علمی و روحانی قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے دونوں میدانوں میں کام کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سیاسی و عسکری میدان میں ہندومت نے میدان جنگ میں مقابلے کے بجائے خالص ہندو روایات کے مطابق (جس کے مسلمان پوری طرح واقف نہیں تھے) اور چانکیہ سیاست کی عین مطابق دوستی کے روپ میں دشمنی یعنی بظاہر دوستی اور درحقیقت انتقام کی روش اپنائی۔ مسلمان حکمرانوں کے قریب ہوئے اور خوشامد، چاپلوسی اور اپنی وفاداری کے اظہار کے روپ میں حکمرانوں تک رسائی حاصل کی۔ ہندو نے اس سلسلے میں عورت کے ذریعے انسانی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور ہندو عورتوں نے مسلمان حکمرانوں رئیسوں اور فوجی اعلیٰ عہدیداروں کے گھروں تک رسائی حاصل کر لی۔

بابر نے 1528ء پانی پت کی تیسری لڑائی میں فتح پائی اور اس نے عظیم مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی اس سے پہلے حکمران خاندان 50،60 سال کے عرصے میں تبدیل ہو رہے تھے، بابر نے ایک مستحکم حکومت کے ذریعے پورے ہندوستان کا انتظام سنبھالا ــــــــــــــ وقتی طور پر ہندو ذہن کو اس سے ایک دھچکا سا لگا۔ تاہم ایک ہی خاندان کی حکومت کا مطلب صرف ایک خاندان کو قابو کرنے اور قابو میں رکھنے سے پورے ہند کی تقدیر کو مٹھی میں کیا جا سکتا تھا۔ اسی اصول کے تحت بابر کے بعد ہمایوں آیا اور ہمایوں بے دخل ہو کر ایران چلا گیا وہاں سے چند سال بعد لوٹا اور اس نے پانی پت کی دوسری لڑائی میں فتح حاصل کر لی اور سلطنت مغلیہ بحال ہوگئی۔ 1556ء میں ہمایوں کی وفات پر اکبر نے نوعمری (بلکہ بچپن) میں ہی تخت نشینی اختیار کی۔ حالات کا گہرا مطالعہ کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ ہمایوں کی شکست سے پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت

تھی اور ہندو مغلوبیت کی وجہ سے دبے ہوئے تھے اسلام نے تاریخ میں کبھی لوگوں کو ذاتی سطح پر مسلمان بنانے کے لئے جبر سے کام نہیں لیا ورنہ کم از کم ہندوستان میں 1000ء سے لے کر 1600ء تک سارے ہند کی انسانی آبادی مسلمان ہو چکی ہوتی۔ اس کے برعکس صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کی 1000ء سالہ حکمرانی کے دور کے باوجود 1947ء تک مسلمان کی آبادی 25% سے زیادہ نہیں تھی۔

ہمایوں کی ہندوستاں میں ایک ''وفادار'' فوج کے ساتھ دوبارہ آمد اور فتح پانے کے بعد سلطنت مغلیہ کے احیاء اور استحکام کے کام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب ہندستان سے باہر کی کچھ قومیں بھی اسلام کے خلاف اور ہندو کی حمایت میں ریاستی رسہ کشی میں شامل ہو چکی تھیں۔

اکبر کا عہد آیا اور 1580ء سے لیکر 1605ء تک اس کا دور عروج ہے اس میں ہندو 'عورت' نہ صرف محلات میں خادماؤں کی حیثیت سے داخل تھی بلکہ 'حرم' میں شامل ہو چکی تھی چنانچہ اکبر، اس کے وزراء، رئیس اور امراء سب کے ہاں ہندو عورتوں سے شادی کا رواج تھا خود اکبر کے ہاں ہندو عورتیں تھیں اور شہزادہ سلیم جو بعد میں 'جہانگیر' بنا ایک ہندو عورت کے بطن سے تھا اس 'جنسی حملہ' ہی کا زہریلا وار تھا کہ حکمران خاندان کی 'قلب ماہیت' ہو گئی۔

دوسری طرف علمی و روحانی میدان میں مقابلہ کے لئے ہندومت نے اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک اور منصوبہ بنایا اور نامعلوم ایسی کتنی کوششیں کی ہوں گی مگر جو کوشش اس دور میں سب سے زیادہ کامیاب رہی اور جس نے بعد میں ہندو کی مسلمان دشمنی کے ضمن میں بڑے دوررس نتائج بھی پیدا کئے ایک ایسے مذہب کا اجرا تھا جس میں کچھ تعلیمات ہندو مذہب کی ہوں اور کچھ شعائر اسلام سے لئے جائیں بظاہر شکل وصورت میں مسلمان سے مشابہت اختیار کی جائے جبکہ اس قوت کا سارا کنٹرول ہندو کے پاس رہے۔

اس میدان میں پہلی کامیاب کوشش یہ تھی کہ پنجاب سے ایک ہونہار نوجوان کو پہلے مسلمان بنایا گیا پھر اس کو تعلیم دلا کر مختلف اسفار پر روانہ کیا، مشرق میں آسام، بنگال، جنوبی ہندوستان، شمال میں تبت لداخ اور مغرب میں بغداد اور مکہ تک کے اسفار ظاہر کرتے ہیں کہ بظاہر وہ حقیقت کی تلاش میں تھا۔ مکہ تک رسائی کے لئے اس کا مسلمان ہونا یا کم از کم مسلمانوں کا روپ

دھارنا ضروری تھا یہ ایک گہری سازش تھی واپس آ کر اس شخص نے یہ ظاہر کیا وہ بہت سے مذاہب (بشمول اسلام) کا مطالعہ کر کے ان کے حالات دیکھ آیا ہے اور اسے جو حقیقت ملی ہے وہ یہ نیا 'سکھ مذہب' ہے یہ دراصل ہندو ذہن کی پیداوار اسلام کے مقابلے میں نیا مذہب تھا۔(سکھ مذہب کی اسلام دشمنی کی ایک دلیل یہ تھی کہ وہ مغلیہ سلطنت کے مسلمان حکمرانوں سے ہمیشہ دست گریباں رہے دوسرے سکھ دور حکومت میں مسلمانان پنجاب پر جو ظلم ہوئے وہ ظلم وستم کی منفرد داستاں ہیں پورے سکھ (70 سالہ) دور حکومت میں مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر تالے تھے اذان اور نماز پر پابندی تھی۔قرآن مجید لیکر باہر نہیں نکلا جا سکتا تھا۔اسلامی شعائر پر بھی پابندی تھی شاہی مسجد لاہور رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں گھوڑوں کا اصطبل تھا۔ 1937ء سے پہلے کی شاہی مسجد کی تصویر شاہی مسجد کے داخلی دروازے کے قریب آویزاں ہے پھر قیام پاکستان کے موقع ہندو کی شہ پر دہلی سے پاکستان آنے والے مہاجرین کا قتل عام اس سکھ دھرم کی ذہنیت اور سوچ کو ظاہر کرتا ہے جو ان کے دلوں میں مسلمان کے خلاف پوشیدہ ہے)

جناب گرونانک کا زمانہ 1469ء۔۔1539ء ہے۔اس میدان میں ہندومت کی کوشش کے باوجود کوئی مسلمان اس دام ہم رنگ زمین میں گرفتار نہیں ہوا شاید یہ ہوا ہو کہ ہندومت کے اندا اسلام سے قدرے متاثر طبقہ کے کچھ لوگ مسلمان ہونے کے بجائے سکھ مذہب کی طرف چلے گئے ہوں۔

یہ کوشش توقع سے بہت کم فائدہ مند ثابت ہوئی اس وجہ سے ہندو ذہن نے دوسرے محاذ میں سیاسی وعسکری سطح پر اپنے کام پر سارا زور لگا کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے

اکبر نے اسلام سے منہ موڑ کر ہندومت عیسائیت یہودیت اسلام او دیگر مذاہب کے کچھ شعائر لے کر ایک نیا دین 'دین الٰہی' جاری کر دیا اور اپنے آزاد خیال (LIBERAL) اور روشن خیال ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا۔جنسی آزادی (یا آوارگی) کی اجازت دی اور اس طرح اپنی سلطنت کے استحکام کا خواب دیکھا۔

تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ ــــــــــــ اللہ تعالیٰ نے اکبر کے اس منصوبے کو شیخ مجدد رحمہ اللہ اور اس کے بعد شیخ محدث رحمہ اللہ کے ذریعے خاک میں ملا دیا۔

شیخ مجدد کی انقلابی اور حکمرانوں کے رُو در رُو توحید کی دعوت اور '' دین الٰہی '' کے ابطال کی گفتگو سے اکبر کی وفات 1605ء کے بعد جہانگیر کے دور حکومت میں ہی اسلام کا پلڑا بھاری ہونا شروع ہو گیا اور جہانگیر نے شراب وغیرہ جیسی قبیح عادات ترک کر دیں دین الٰہی کا سارا پرچار ختم ہو گیا اور یوں ہندو ذہن کے حکمرانوں پر عورت کے ذریعے کنٹرول حاصل کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنے کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ یہ شیخ مجدّد کی مساعی اور ان کی وفات کے بعد شیخ محدث کی تعلیمات اور اشاعت حدیث کے اثرات تھے۔ کہ اب گلی گلی، قریہ قریہ، شہر شہر قرآن وحدیث کا تذکرہ تھا اور اسلام کی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

چنانچہ ــــــــــــــ شیخ محدث کی تعلیمی خدمات اور نصف صدی کی مسلسل محنت شاقہ کا حاصل تھا کہ جہانگیر کے بعد شاہ جہان جیسا حکمران آ گیا۔ اور شاہ جہان کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب 1657ء میں برسر اقتدار آ گیا۔

یہ اسلامی تعلیمات کا اثر تھا اور ہندومت کے در پردہ اسلام دشمنی کے جذبات کا کہ شاہجہان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا کام کرا دیا جو آج تک ہندومت کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔

اکبر کی وفات سے شاہجہان تک نصف صدی میں اکبر کے دین الٰہی سے اسلام کی طرف واپسی کے نتیجے میں حکمران طبقے اور عوام کے بود باش اور طور طریقوں میں انقلاب آ گیا

شاہجہان کوئی زیادہ مذہبی حکمران نہیں تھا تاہم شیخ محدث کی محنت اور ان کی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ کہاں اکبر کے حرم میں سیکڑوں عورتیں اور وہ مذہب کی قید سے آزاد اور کہاں شاہجہان کی صرف ایک منکوحہ بیوی۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسی ایک بیوی کے بطن سے اس کے چودہ بچے ہوئے۔ عفت وعصمت کی یہی داستان ہے کہ اس بیوی کی زچگی کے دوران وفات پر پورے ہند کے بادشاہ شاہجہان کو دلی صدمہ ہوا جو ایمان کے اعتبار سے فطری بھی تھا۔ اس نے اپنی متوفی بیگم کی یاد میں ممتاز محل کی یادگار تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک شاہی فیصلہ تھا دینی اعتبار سے اس کی حمایت نہیں کی جا سکتی تاہم قدرت نے اس تعمیراتی شاہکار کے ذریعے ہندومت کے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ مارا جس کے اثرات وہ آج بھی محسوس کرتے ہیں اور شاہجہان کو برا بھلا کہتے

ہیں اور بعض نادان مسلمان بھی اس ہندو سوچ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

———— تفصیل اس کی یہ ہے کہ 500ء سے لیکر 1000ء تک ہندوستان میں ہندومت کا دور عروج ہے اور دنیاوی آسودگی اور دولت کی ریل پیل بھی اس دور میں ہندو ثقافت کا دور عروج ہے ان کی مذہبی اقدار کا آرٹ اور فن سنگ تراشی کے شہ پاروں میں ظہور ہے اور وہ ظہور یہ ہے کہ وسطی ہندوستان، سومنات، راجپوتانہ سے لیکر پورا مشرقی بھارت اور اس کے باہر مشرق بعید تک کی مذہبی عبادت گاہوں کی تعمیرات کا زمانہ یہی ہے اور ان مذہبی عمارات میں جہاں صاف ظاہر ہے بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد سب آتے ہیں اور عبادت کا ماحول ہوتا ہے اور مذہب کا لحاظ ———— تاہم عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہندو ذہن نے اس دور کے اپنے مندروں کی تعمیر میں اپنے سینے اور ذہن میں پوشیدہ، بے شرمی اور بے حیائی کے جذبات کے اظہار کی انتہا کر دی اور مذہبی عمارات میں سنگ تراشی کے ذریعے بے حیائی کے مجسمے تیار کر دیئے کہ کوئی باضمیر اور شریف النفس انسان بھی اس کو دیکھنا گوارا نہ کرے کجا یہ کہ بچیاں عورتیں اور پورا خاندان دیکھے ———— (مغرب آج بے حیائی کر رہا ہے تو اسے کم از کم مذہب کا نام نہیں دے رہا جبکہ ہندو کے ہاں یہ بے حیائی مذہب کا حصہ اور روحانی درجات کا ذریعہ ہے اسی لئے آج کا مغرب ہندو اور ہندوستان کا ''بے دام مرید'' اور پرستار ہے)۔ یہ زمانہ حضرت شیخ محدث رحمہ اللہ کا ہے اور انہیں کی بے لوث تعلیمات کا اثر تھا جو عوام پر بھی پورے ہندوستان میں تھا اور خواص پر بھی اور عمائدین سلطنت پر بھی حتیٰ کہ بادشاہ وقت کی سوچ پر بھی۔

اسلام کی ثقافت جو اسلام کی عقائد اور تعلیمات کے نتیجے میں تیار ہوئی ہے اور آرٹ فن، سنگ تراشی اور خطاطی میں ظاہر ہوتی ہے۔ ممتاز محل کا یہ مقبرہ ایک بادشاہ کا اپنی ایک محبوبہ بیوی کی یاد میں محبت کی نشانی کے طور پر تعمیر ہوا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اس میں یونان کے فواروں، یورپ کے سنگتراشی کے شہ پاروں اور ہندوستان کے ننگ شرم وحیاء مذہبی عمارات کی طرح بھی ہوتا تو بھی کہا جا سکتا تھا کہ یہ تو ہے ہی ''محبت'' کی نشانی۔ ہندو مذہب اور ثقافت اور مسلم عقائد اور سوچ کا فرق راجپوتانہ اور قنوج کے ان مندروں کے مقابلے میں مسجد کے پاکیزہ اور چاندنی کی طرح خنک ماحول سے واضح ہے ہی مسلمانوں کا کعبہ اور اس کا اندرون بھی اسی طرح پاکیزہ اور روح

پرور ہے بلکہ مسلمان کے ضمیر کی طرح صاف اور ہر طرح کی کثافت سے مبرّا۔حتیٰ کہ مسلمان کی محبت کی یہ نشانی بھی پاکیزہ ملکوتی جذبات کی عکاس ہے قارئین حیران ہونگے اس تعمیراتی عجوبہ میں سفید پتھر پر قرآنی آیات کندہ ہیں، پھول ہیں، محرابیں ہیں، فوارے ہیں، بہتا پانی ہے، تاج محل کے ایک طرف مہمانوں کے لئے مسجد بنائی گئی ہے تو دوسری طرف توازن (SYMMETRY) کے لئے اسی شکل کا مہمان خانہ بنایا گیا ہے شاہجہان اور اس کی بیوی کی دیواری تصویریں جو بازار میں بھی مطبوعہ ملتی ہیں بس ——— یہ تعمیراتی شاہکار ہندومت کی سفلی تعلیمات اور ذہنیت کے لئے طمانچہ اور اتمام حجت کا درجہ رکھتا ہے۔ ہندوستان کے نقشے پر آگرہ پر پرکار کی نوک رکھ کر 500KM نصف قطر کا دائرہ لگائیں تو وہ سارے مقامات اس کے اندر آجائیں گے جس میں سب سے زیادہ ہندو مذہبیت اور ثقافت کے بے حیائی کے مجسمے ہیں جسے دیکھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور ——— اس کے درمیان میں محبت کی یہ یادگار بھی ہے جو پاکیزہ انسانی جذبہ کی آئینہ دار ہے سچ ہے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

یہ عجوبہ روزگار تعمیر اس سال مکمل ہوئی جو سال شیخ محدث رحمہ اللہ کی وفات کا سال ہے

شیخ محدث رحمہ اللہ کی علمی خدمات میں ''اشعث اللمعات'' جو مشکوٰۃ شریف کی شرح ہے، بہت اہم تصنیف ہے اس کے علاوہ ''تاریخ مدینہ'' اور ''مدارج النبوۃ'' بھی ہیں لیکن آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''اخبار الاخیار'' ہے جس میں آپ نے ہندوستان کے اولیاء اور بزرگوں کے حالات لکھے ہیں جہانگیر بادشاہ نے اس کتاب کی بہت تعریف کی تھی۔

یہ سیمینار 4 فروری 2007ء بروز اتوار صبح 9.00 بجے تا 11.30 بجے تک منعقد ہوا اس پروگرام میں حافظ مختار احمد گوندل صاحب، پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب اور پروفیسر مہر غلام سرور صاحب اور دیگر دانشور حضرات نے شیخ محدث کے حالات زندگی پر اظہار خیال فرمایا (ادارہ)

گزشتہ 25 روزہ کورسز کے

شرکاء کے تاثرات

قرآن اکیڈمی جھنگ میں پچیس روزہ فہم قرآن کورس بہترین طریقے سے کروایا جاتا ہے۔ انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کی شخصیت کے بارے میں جو کچھ پہلے سنا تھا یہاں آ کر میں نے ان کو اس سے بھی حیران کن پایا۔ان سے جو کچھ تعلیم حاصل کی اس پہلے اب تک اتنی تفصیل سے کسی نے نہیں سکھائی۔اتنا آسان فہم طریقہ ہے کہ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے' وہ یہاں مطالعہ قرآن، تاریخ اسلام، مطالعہ حدیث، کلام اقبال پڑھاتے ہیں۔اور پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب اسلام کے مختلف موضوعات پر بہت ہی احسن انداز میں لیکچر دیتے ہیں۔اور مفتی عطاء الرحمٰن صاحب عربی گرائمر اور تجوید پڑھاتے ہیں۔قرآن اکیڈمی بہت خوبصورت اور صحت افزا جگہ پر واقع ہے اور یہاں پر کھانے پینے اور رہائش کا بہترین انتظام ہے۔میری چاہت ہے کہ جب بھی مجھے موقع ملا میں یہ کورس دوبارہ کروں گا۔ان شاءاللہ (عثمان ادریس گجرات)

قرآن اکیڈمی جھنگ کے زیر اہتمام پچیس روزہ کورس میں اساتذہ نے بہت محنت اور پوری کوشش کی ہے' تاکہ ہمارا وقت ضائع نہ ہو۔فاروقی صاحب نے انتہائی نرم طریقے سے اور دلچسپ لہجے میں انتہائی خلوص کے ساتھ پڑھایا اور ہمارا خیال رکھا۔اللہ ان کو جزائے خیر عطا کرے۔مفتی عطاء الرحمٰن صاحب نے بھی بہت محنت کر کے ہماری تجوید درست کرائی اور عربی اتنی توجہ سے پڑھائی کہ ہمیں عربی مشکل محسوس ہی نہ ہوتی۔ان کے لئے ایک مشورہ یہ ہے کہ وہ کلاس میں دیر سے آنے والوں سے خوب پوچھ گچھ کریں تاکہ طلبا پورے کورس میں وقت کی پابندی کریں۔جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کا اندازِ بیاں قابلِ تعریف ہے ان کی اچھی بات یہ ہے کہ وہ STUDENT'S سے QUESTION'S کرتے رہتے ہیں جس سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔بس اگر وہ کلاس کے دوران موقع کی مناسبت سے چھوٹا سا مزاق بھی کر لیا کریں تو جو چند ایک لوگ علم سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے وہ بھی غور سے بات سنیں گے۔(عبدالمتین، اسلام آباد)

ہم نے پچیس روزہ فہم قرآن کورس میں شرکت کی اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق اس سے بھرپور استفادہ کیا۔ یہ کورس بطور خاص اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن پاک کو سمجھنے سمجھانے کے لئے ترتیب دیا گیا ہے، قرآن کے سمجھنے کے لئے عربی سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضروری ہے جس کے لئے عربی گرائمر کی کتاب اس کورس میں بہت مفید ثابت ہوئی ہے، شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کے کلام کے اہم حصے بھی نصاب میں شامل ہیں، نصاب میں تاریخ اسلام کو بھی مرتب کیا گیا ہے، منتخب احادیث کا مجموعہ بھی آج کے مایوس کن حالات میں امید کے چراغ روشن کرتا ہے۔ مجموعی طور پر بہت مفید اور کارآمد کوشش ہے جن لوگوں سے کے لئے ممکن ہو اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں۔ (عبدالعزیز، لاہور)